…URY STUDENTS' GUIDE.

ADAPTED FROM T. S. KNOWLSON,
Reprint from Taraqqi, 1911.

رہنمائے تعلیم

جو

نولسن صاحب کی نہایت مفید اور بکار آمد کتاب
"سینچری سٹوڈینٹس گائیڈ" سے تیار کی گئی ہے

اس میں

…کے اضاف اور بہترین طریقوں پر بڑی خوبی اور جدت سے بحث
…ہے۔ طلباء علم کے لئے فی الحقیقت یہ کتاب رہنمائے تعلیم کا کام دیتی ہے

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی۔ لاہور
۱۹۱۱ء

Reg. No. 1582.

فہرست مضامین کتاب رہنمائے تعلیم

رہنمائے تعلیم

باب اوّل

تمہید

تعلیم کیا ہے؟ بادی النظر میں اس سوال کا جواب آسان معلوم ہوتا ہے کیونکہ تحریر و تقریر میں یہ لفظ بہت روانی کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس کا جواب آسان نہیں ہے۔ مسئلہ تعلیم بہت سے نہایت پیچیدہ مسائل کو پیش کرتا ہے جن کو باوجود صدیوں کی کوشش کے ہم صرف جزئی طور پر حل کر سکے ہیں۔ ان اوراق میں ہم ہرگز یہ دعوےٰ نہیں کرتے کہ اس مسئلہ کو بالکلیہ حل کر دینگے۔ البتہ صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اپنے خیالات کی تصریح کے لئے ایک تنقید بہ نیت افادہ پیش کر دیں۔ کسی ایسی کوشش کے لئے جس کا مقصد مختلف قسم کے طلبا کی فائدہ رسانی ہو اس بات کی ضرورت ہے کہ

اولیں اصول اوّل

اصول تعلیم پر کسی قدر توجہ کی جاوے۔ اس لئے ہم پر لازم آتا ہے کہ ابتدائی اصول کی ایک تمہیدی شرح کر کے اپنے مجوزہ عملی تعلیم کے نصاب کی تائید کریں۔ تعلیم کے متعلق جو خیال کثرت سے مروّج ہے اُس سے ہم کو ایک گونہ سخت اختلاف ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ کہینگے کہ ہر شخص جس نے زمانۂ حال کے تعلیمی لٹریچر کو خواہ وہ نصاب درس ہو یا اخبار و رسائل پڑھا ہو گا وہ ادنےٰ

واطلائے معلمین کے سچے جوش سے ضرور متاثر ہوگا۔ غالباً اس سچے جوش کی وجہ سے یہ حامیان تعلیم کبھی ایسی تجویزوں کی بھی حمایت کرتے ہیں جن کو بہترین نہیں کہا جاسکتا۔ مگر بایں ہمہ ہم اس موقع پر ہر پر جوش معلم کی علمیت وجانفشانی کی داد دینگے جن کے کاموں پر غور کرنے کی ہمیں مسرت حاصل ہوئی ہے۔ ان میں ہر ایک سے کچھ نہ کچھ سیکھا جاسکتا ہے ؛

تجربہ کی تعلیم

ہم طرز تعلیم کے کسی خاص مسلک سے تعلق نہیں رکھتے اور جو تجاویز ہم پیش کرتے ہیں وہ مطالعہ غور وفکر اور عملی تجربہ سے مل کر پیدا ہوئی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس سے ہم غیر سائنٹفک ہونے کے الزام سے معاف نہیں کئے جاسکتے کیونکہ ہر درجے کا معلم اپنے پیشہ کے اعزاز کے لئے دل وجان سے کوشاں ہے۔ اور وہ ایک ایسے ناتربیت یافتہ شخص کے خیال کو جس کی نصف زندگی مطالعہ اور نصف کاروبار میں بسر ہوئی ہو حیرانی سے دیکھیگا۔ لیکن ایک تنقید پیشہ شخص اس نقص کو غالباً ایک بڑا نقص نہیں خیال کریگا اگر اس کو شروع ہی سے یہ بتا دیا جائے کہ جو مشورہ طالب علموں کو ہم دینا چاہتے ہیں وہ ہمارے ذاتی تجربوں سے ماخذ ہے۔ اور بلحاظ اس کے کہ وہ ذاتی مشاہدہ اور بیانات کا قلمبند ملفوظ ہے یہ ممکن ہے کہ وہ اس قدر دلچسپ ہو کہ توجہ کو مبذول کراسکے ؛

کون لوگ ہمارے مخاطب ہیں

ہمارے مدِنظر اُن خانگی طلبا اور عام مطالعہ کرنیوالوں کی ضرورتیں ہیں جو اپنے اوقات اور مواقع کو بہترین استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ہم زیادہ تر اُن نوجوانوں کا خیال کر رہے ہیں جو اثر پذیر حالت میں ہوں یعنی ان کی عمر ۱۲۔۲۱ سال کے درمیان ہو۔ ۱۶ برس کی عمر میں مدرسہ کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے اور زندگی کے مہمات شروع ہوتے ہیں۔ دن کے ۱۰ بجے ۹ بجے سے ۵ بجے تک دفتر یا دوکان یا کارخانہ میں پیٹ کا دھندا کرنا پڑتا ہے۔ یہ وقت کم وبیش ہر شخص کے لئے بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن ہم کو بحث زیادہ تر اس وقت سے ہے جس کو ہم اپنا

کہہ سکتے ہیں۔ کیا یہ وقت بھی اہم ہونا چاہیئے؟ اس کا جواب ہاں بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی۔ ہر وقت کام کرتے رہنا بھی ایک ضرر کی بات ہے۔ اور کام کا لالچ کسی اور چیز کے لالچ سے کچھ زیادہ دلفریب نظارہ نہیں ہے۔ اور نہ یہی اچھا ہے کہ انسان اپنی تمام فرصت کھیلوں، صحبت کی دلچسپیوں میں صرف کردے۔ حرص تو ہر صورت ہی میں نفرت انگیز ہے۔ اس لئے ہم اُن اوقات میں جن کو ہم اپنا کہہ سکتے ہیں۔ سنجیدہ مشاغل اختیار کرنے کی سفارش کرتے ہیں اور جو ہم سے متفق ہو اُس کو ہم وہ مشورہ جو کہ اس کتاب کی فصلوں میں مذکور ہے پیش کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اُس کو ایک ایسی عملی ترکیب بتادیں جو دماغی تربیت کے لئے موثر طریقوں پر رہنمائی کرے۔

کوئی تعلیمی تجویز تحکمانہ وقطعی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ ایسی ہو جس کی عقل تائید کرے۔ اور اس بات کے لئے طوالت درکار ہے۔ ہم ۵۰ صفحوں کو بآسانی ۵ اصول موضوعہ میں ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن ان اصول موضوعہ کا نقص یہ ہے کہ اُن کا سارا ممکن زور بیان "کیا" پر پڑتا ہے اور ان میں سوال "کیوں" کے متعلق کچھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ "کیوں" کا سوال طلبا کا تکیہ کلام ہے جس کو وہ دن کی ہر ساعت میں استعمال کرتا ہے یا اُسکو استعمال کرنا چاہیئے دماغی ترقی کی کوئی تدبیر بوجہ معقول معین نہیں ہوسکتی بغیر اس کے کہ ہم پہلے اُن اصولوں کو جن پر دماغی ارتقا کا دارومدار ہے تجزیہ نہ کریں اور اس لئے ہم نے سب سے پہلے یہ سوال کیا ہے کہ تعلیم کیا ہے؟ اور اسکو موجودہ تعلیم کی مشکلات اور نقائص کی بحث کے ذریعے سے یہاں پیش کرینگے۔ ہم اس نتیجے پر آتے ہیں کہ کسی نظام تعلیم کا پہلا فرض یہ ہے کہ نوجوانوں کو تدبیر معیشت سکھلاوے۔ حالانکہ موجودہ تعلیم سے صرف یہ ہوتا ہے کہ نوجوان کا دماغ مختلف واقعات کے اجتماع سے ٹھس جاتا ہے جس میں سے دو تہائی ایسے ہوتے ہیں جن کا انسان کی روزانہ زندگی کے عملی فرائض سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور یہ وہ فرائض ہیں جس میں ایک نوجوان کو جونہی کہ اس کے مدرسہ کی تعلیم کا

زمانہ ختم ہوتا ہے مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہم تعلیم کے بدلے **دماغی تربیت** کا لفظ استعمال کریں کیونکہ اول الذکر لفظ سے **علم** کا **جمع** ہونا پہلے اور پھر **دماغی قوت** کا **ترقی** پانا عبارت ہے۔

تعلیم درحقیقت ایک طریقہ ہے

اصلی تعلیم ایک ایسا طریقۂ مطالعہ ہے جس کی پہلی غرض دماغی قوت کو ترقی دینا ہے۔ اور مطالعہ کے لوازمات بعنوان دماغ، کتب، وقت، احباب، اور قوت بیان پر اس کتاب کی ایک فصل مخصوص کرنے کے بعد ہم ان سب سے زیادہ اہم مسئلہ کی طرف متوجہ ہونگے اور وہ یہ ہے کہ کیا مطالعات کی کوئی حقیقی ترتیب ہے؟ یہاں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوئی ایسی ترتیب موجود ہے جو سائنٹفک قانون پر مبنی ہو۔ یعنی ایک ایسا قانون جس میں حقیقی اور خیالی دونوں مطالب کی رعایت ہو اور جو ظاہر کردے کہ تمام تعلیمی ریاضتوں کو مادیات سے مجردات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے یا بعبارت دیگر ہمکو چاہیئے کہ قبل اس کے کہ ہم اپنی توجہ منتبعدات یعنی دور از کار چیزوں کی طرف پھریں جو بذات خود خواہ کتنی ہی اہم ہوں لیکن ہم سے دوری کی وجہ سے ہماری التفات پر اولیں استحقاق نہیں رکھتیں ان چیزوں کو سیکھیں جو ہمارے قریب اور گرد و پیش ہیں۔ اسکے بعد ہم یہ استدلال کرتے ہیں کہ کیوں اپنی مادری زبان میں سائنس ریاضیات اور سوشیالوجی یعنی علم المعاشرت کا مطالعہ بہ ترتیب بالا درجہ بدرجہ نہ کیا جاوے اور یا بہتر یوں کہ کیوں جب کئی چیزوں کی تعلیم ساتھ مل کر دی جاوے تو اس ترتیب کا پورا لحاظ نہ کیا جاوے مگر جہاں عام طلبا کے لئے ایک ترتیب ہے وہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خاص طلبا کے لئے بھی ایک ترتیب ہے۔ ہر شخص اپنے دماغی قوی کی ترقی میں اپنے پیشہ کی ضرورتوں کے مطابق چلے مثلاً وہ پیشے جن میں قوت استخراج کا کام پڑتا ہے جیسے کہ قانونی پیشہ، ان کے لئے ایک ایسے نصاب تعلیم کی ضرورت ہے جس میں منطق و دیگر استخراجی مضامین کو فوقیت دی جاوے لیکن عام طور پر سب سے بڑی احتیاج ایسی تعلیم کی ہے جو استقرائی اصولوں پر

ہو۔ اگر کسی نوجوان میں کوئی چیز بھی ایسی ہو جس کو ترقی دینی چاہے تو وہاں یہ طریقہ ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو تجارتی زندگی کے لئے بدرجہ اولےٰ مناسب حال ہے۔ وہ تجارتی زندگی جسے ہم میں سے بہتوں کو روز افزوں اختیار کرنا پڑیگا۔

ہمیشہ یہ سوال پیدا ہوتے ہیں کہ تعلیم جو بطور خود حاصل کیجائے اور جو کسی درسگاہ میں ملے دونوں میں نسبتاً کون زیادہ قدر و قیمت کے لائق ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک اور بھی سوال لگا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ طالب علم کہاں تک اپنی طرز زندگی اور مقاصد کے اعتبار سے عوام سے بالکل جدا اور ایک نمونہ خاص ہے۔ ان مسائل پر ہم نے ایک مناسب حد تک بحث کی ہے۔

تربیت کی قدر و قیمت

تربیت ہی سب کچھ ہے۔ یہی رائے ہر قسم کے معلمین کی ہے۔ یہ ایک مبالغہ آمیز سچائی ہے۔ لیکن ہم میں سے کوئی ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ کہاں سچائی ختم ہوتی ہے اور کس جگہ سے مبالغہ شروع ہوتا ہے ہم نے اس غرض سے کہ نوجوانوں کی ڈسپلن یعنی تربیت و پابندی کے لئے ایک میدان مہیا کریں جو باسعی زندگی بسر کرنا چاہیں طالبعلم بکار کی ایک تصویر مہیا کی ہے۔ پہلے جسمانی طریقوں کا ذکر کیا ہے جیسے کھیل کود۔ غذا۔ جسمانی حرکات اور استراحت۔ ہم کوسی ایسے اچانک طریقے سے جس کو ہم پسند نہیں کرتے یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ دماغ کا دار و مدار جسمانی حالت پر ہے۔ اس لئے دماغی صحت کا تعلق جو جسمانی حالت سے ہے اس کی اہمیت ماننا پڑتی ہے۔ لیکن جیسا کہ چاہیئے سب سے زیادہ وسعت دماغی عادتوں کو دی گئی ہے یعنی آرام حاصل کرنے کیلئے مضامین بدلنے کی ضرورت استدلال کے تمام مدارج کے سمجھنے کی ضرورت۔ دہرانے کے لئے مقررہ اوقات رکھنے کی ضرورت اور کسی خاص مضمون میں جس کی طرف کسی کا مذاق اور فطری قابلیت کا میلان ہو اس میں خاص مہارت حاصل کرنے کی ضرورت۔ معلومات کو ایک اتحادی نظام کے سلسلے میں لانا قوت متخیلہ کو ترقی دینا

اور دماغی قویٰ کو شگفتہ کرنا ان میں سے ہر ایک بات کی اسی وسعت کے ساتھ توضیح کی گئی ہے کہ ان بیانات کو پیش نظر رکھنے سے طالبعلم کا وقت ان ان طریقوں پر برباد نہ ہونے پاویگا جو نہ صرف چنداں مفید نہیں بلکہ دماغی سوہضمی کے بھی ایک طرح پر ذمہ دار ہیں +

اس یقین کی بنا پر کہ جب تک کوئی معقول غایت صاف معنی میں پیش نظر نہ ہو مستقل فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہم نے ایک حصہ اخلاقی مقاصد کا مہیا کیا ہے اس میں ہمارا یہ مقصد ہے کہ عقلی فوائد کے معنے ان کے مقاصد اور تاثیرات کے اعتبار سے ظاہر کئے جاویں اور اسی طرح یہ کوشش کی ہے کہ فلسفۂ اخلاق کے دونوں فرقوں یعنی سودمندی پسند[1] اور تخیل پسند[2] کے پلّے برابر رہیں +

کتابیں طالب علم کے اوزار ہیں۔ اور اُس کو یہ سیکھنا ضرور ہے کہ فلاں اوزار جو اس کو مطلوب ہے کہاں ملتا ہے اور وہ کیونکر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون ہم نے فصل "کتابوں کا صحیح استعمال" میں مفصل بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے ہم کتب معلومات کو لیتے ہیں۔ یہ سوال کہ ان واقعات کا پتہ کہاں سے چل سکتا ہے؟ ہم سب کسی نہ کسی وقت پوچھتے رہتے ہیں۔ اس غرض کے لئے ہم نے ایک فہرست لغات انسائیکلوپیڈیا گائیڈز یعنی رہنما اور سالناموں کی شامل کردی ہے جس سے وقت ضرورت ایسی مدد ملیگی جو اب تک نہیں مل سکی +

ذہنی فوائد کی غرض سے مطالعہ ایک مضمون ہے جو لاثانی طریقے سے بیان ہوا ہے۔ مشہور مصنفین اور نقاد مثل رسکن اور ہمرٹن کے ذاتی تجربوں

---

[1] یوٹلیٹرین یعنی سودمندی پسند وہ فرقہ ہے جو منفعت عام کی بنیاد پر کسی فعل اخلاقی کی بھلائی یا بُرائی قرار دیتا ہے +

[2] آئڈیسٹ تخیل پسند وہ فرقہ ہے جو کسی فعل اخلاقی کو محض ایک عقلی و ذہنی معیار نیک و بد قرار دیتا ہے +

سے اس بات میں مدد لی گئی ہے کہ وہ کون کون سی کتابوں کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اُن کے آٹوبیاگریفکل یعنی قلمبند ذاتی تجربوں نوٹوں کے بعد منتخب مصنّفین کے مناسب و موزوں نسخوں کی بھی فہرست شامل کردی گئی ہے۔ اسکے بعد پڑھنے کے طریقے پر بحث کی گئی ہے اور ساتھ نوٹ لکھنے کے طریقے پر ایک حصّہ مخصوص کیا گیا ہے۔

آخر میں اصلی انشا پردازی پر ایک اہم حصّہ مخصوص کیا گیا ہے جو تحریری رایوں کے انبار میں ایک ذریعہ اپنی شخصی خصوصیت قائم رکھنے اور دماغی ترقی کی معاونت کا ہے۔

یہ پروگرام جس کا ہلکا سا خاکہ ہم نے کھینچا ہے بظاہر بہت بڑا نہیں معلوم ہوتا لیکن درحقیقت ایک جلد میں سمانے کے لئے تو وہ بہت وسیع ہے اور اگر خوب دیکھا جاوے تو یہ صرف ادھوری تجویز ہے۔ سیکڑوں ایسی باتیں ہیں جو طلبا کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں مگر ان کا اس میں اشارہ تک نہیں جیسے کہ امتحانات کا مسئلہ۔ قریباً ہر شخص اس بات کا خواہشمند ہے کہ ایک سند یا سرٹیفکٹ کسی ممتحن جماعت سے حاصل کرے جو اسکے علم کی وسعت وصحت پر شاہد ہو۔ کیا ایسی کوشش عقلمندی کہی جاسکتی ہے؟ اور اسی طرح امتحانات کے متعلق کون کون سی رائے درست ہے؟

یہاں ہم ایک ایسے مقام پر پہنچتے ہیں جس پر ہماری تجویز جس کا خلاصہ ہم نے دیا ہے محیط نہیں ہے اور اس لئے ہم اُمید کرتے ہیں کہ ایک اور آیندہ نسخہ میں ذیل کے سلسلہ پر اپنے پروگرام کی تکمیل کرینگے۔

مقررہ مضامین کا مطالعہ

(۱) حواس (خمسہ) کو ترقی دینا
(۲) انگلش
(۳) سائنس
(۴) ریاضیات
(۵) سوشیالوجی (علم المعاشرت) اور علم تدبیر ملکی پولیٹکل سائنس
(۶) نقشہ کشی
(۷) ادب
(۸) فن
(۹) اخلاق

امتحان کی تیاری

(۱) امتحان کیا ہے ؟
(۲) قواعد کو پڑھو ؟
(۳) سوالات کے پرچے پڑھو
(۴) نصاب درسی کا استعمال کرو
(۵) ٹائم ٹیبل یعنی پابندی اوقات کی ضرورت
(۶) درس کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے
(۷) صحت کے قاعدے ضعف اعصاب
(۸) ممتحن کیا چاہتے ہیں
(۹) ممنوعات

تنقیدی رائے بنانے کا طریقہ

(۱) نمونے کی دلیلوں کا تجزیہ یا تحلیل (۱) سائنس (۲) فلسفہ اور (۳) قانون
(۲) ابتدائی سوال - واقعات کیا ہیں ؟
(۳) سند (۱) تاریخی (۲) شخصی
(۴) سنجری :- عقل کی قوت مستقبل امورات میں
(۵) خلاصہ

※

دوسرا باب

ہندوستان کے نظام تعلیم میں اصلاح کی ضرورت

عہد انگلشیہ کی سب سے بڑی برکت

منجملہ بہت سی برکتوں کے جو سلطنت برطانیہ کی حکومت سے ہمارے ملک کو حاصل ہوئی ہیں غالباً سب سے اعلیٰ تعلیم کی برکت ہے ۔ کیونکہ یہی وہ زبردست قوت ہے جس نے ہر زمانہ میں مختلف قوموں کی مادی اور اخلاقی ترقی کی کایا پلٹ کی ہے اور آج یورپ کو جو فضیلت وعروج باعتبار دانائی و تمول و فتوحات ملکی و تہذیب کے حاصل ہے اس کا اصلی راز اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایک گمنام ایشیائی قوم کا یکایک ابھرنا اور یورپ کی

اوّل درجہ قوموں کے ہمسر و ہم پلہ ہو جانا محض تعلیم کی زبردست قوت کا نتیجہ ہے۔

ہند میں تعلیمی بیداری

یہ ایک نہایت مبارک فال ہے کہ ہمارے ملک میں حصول تعلیم کے لئے ہر چہار طرف ایک پُرجوش شوق و کوشش جاری ہوگئی ہے۔ ہندوستان کے ہر فرقہ اور مذہب اور قوم نے باوجود بہت سے بایکدیگر ملکی و مذہبی و قومی اختلاف کے اس ایک بات کو بالاتفاق تسلیم کرلیا ہے کہ ہماری نجات تعلیم سے ہے۔ کوئی ہفتہ و مہینہ ایسا نہیں جاتا کہ ہم اطراف ملک سے نئے نئے مدرسے۔ کالج دارالعلوم۔ پاٹ شالا۔ انسٹیٹیوٹ قائم ہونے کی امید وہ خبر نہ سُنتے ہوں اور ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ کے عطیہ کا دل خوش کن اعلان بغرض اشاعت تعلیم اخباروں میں نہ چھپتا ہو۔

تعلیم کو وسعت دینے اور اصلاح کی ضرورت

اب بہی خواہان ملک و مصلحان قوم اور نیز گورنمنٹ کو جس بات پر گہری توجہ فی الفور مائل کرنے کی ضرورت ہے وہ اوّلاً ملک کی ضروریات و وسعت کے لحاظ سے تعلیم کو عام کرنے کی کوشش ہے اور ثانیاً موجودہ و مروجہ نظام و طریقہ تعلیم کو اس طور سے اصلاح کرنا و ترتیب دینا ہے جو زمانۂ حال کی ضرورتوں کے موافق ہو یعنی جس سے ہمارے نوجوان عقلی و اخلاقی و جسمانی اعتبارات سے موجودہ زمانہ کی زندگی کی سخت کشمکش کا اچھے طور سے مقابلہ کرسکیں اور اقوام متمدنہ میں ان کا بھی شمار ہو سکے۔

موجودہ نظام تعلیم جس کو سرکاری نظام تعلیم کہا جا سکتا ہے ایک محدود پیمانہ پر عرصہ سے ہمارے ملک میں قائم ہے اور جن اغراض و مقاصد پر وہ مبنی ہے ان اعتبارات سے کوئی شک نہیں کہ وہ مفید ثابت ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ایک کثیر جماعت نوجوانوں کی ان سرکاری

موجودہ نظام تعلیم ایک فیکٹری سے مشابہ ہے

تعلیمی فیکٹریوں سے ایک خاص ٹائپ کی بن کر نکلتی ہے اور سرکاری محکموں کی عظیم الشان کلوں میں

بطور کیل پُرزے اور چرخیوں کے نہایت مُفید طور پر کام دیتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ایک ایسی شے سے مشابہ ہوتے ہیں جو ایک سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں اور قدرت نے جو افراد میں مختلف جوہر ذاتی کے مادے رکھے ہیں انکا ظہور ان میں بہت کم پایا جاتا ہے جس کا سبب ہمارے موجودہ نظام کا بہت کچھ ایک سانچہ کے مشابہ ہوتا ہے ۔

تعلیم کی جو اصلی و حقیقی غایت ہے اگر اس اعتبار سے دیکھا جاے تو ہمارے ملک کا نظام تعلیم دوسرے متمدنہ ممالک کے مقابلہ میں بہت ہی ادنئے و ناقص ہے۔ مجھے کبھی کبھی اس بات پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے جدید نظام تعلیم کی ابتدا اور جاپان کے جدید نظام تعلیم کی ابتدا کا زمانہ قریب قریب ایک ہی ہے یعنی نصف صدی سے زیادہ تجاوز نہیں کرتا لیکن جاپان آج علمی لحاظ سے عرش معلےٰ پر پہنچ گیا ہے اور ہم ہنوز اسفل السافلین میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب اختلاف جنس یا اختلاف حکومت تو قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ ہند کے لوگ بلحاظ قواے دماغی و عقلی و جسمانی کے جاپانیوں سے کسی طرح کم نہیں اور نہ انگریزی حکومت جاپانیوں سے کسی طرح ناقص ہے۔ پس لامحالہ ہم کو یہ سارا نقص ہمارے نظام تعلیم میں ماننا پڑتا ہے۔

تعلیم کی اصلی و حقیقی غایت

تعلیم کی علت غائی بقول ہربرٹ اسپنسر یہ ہے کہ وہ انسان کے عقلی و اخلاقی و جسمانی قوے کو اس طور پر ترقی دے کہ انسان اس دُنیا میں بحیثیت انفرادی و جمعی خوشی و بہبودی کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ یا مختصر الفاظ میں یہ کہ وہ انسان کو کامل طور پر زندگی بسر کرنے کے لئے تیار کر دے۔ اب اگر ہم معیار مذکورہ بالا سے اپنے ملک کے طریقۂ تعلیم کو جانچیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ اس ترازو میں ہلکا اُترتا ہے۔ بمقابلہ اُس وقت، روپیہ، سخت محنت اور صحت جسمانی کی قربانی کے جو ہمارے نوجوان تحصیل علم میں صرف کرتے ہیں فائدہ بہت کم حاصل ہوتا ہے۔ کسب معاش جس پر بہت کچھ انسان کی زندگی و بہبودی کا

دار و مدار ہے، کے لئے یہ طریقہ بہت کم معاون و موید نظر آتا ہے۔ بالعموم

تعلیم یافتوں کی دردناک حالت

آجکل یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو تعلیم یافتہ کہلائے جاتے ہیں اُن کی زندگی معیار بالا کے لحاظ سے کوئی دل خوش کن یا دلفریب منظر نہیں۔ تجارتی پہلو سے اگر دیکھا جائے تو آجکل کی تعلیم کا "مارکٹ بھاؤ" بہت ہی مندا ہے۔ کلکتہ و مدراس، جہاں جدید تعلیم کا بڑا زور ہے، وہاں کے بازاروں میں درجنوں ایسی دردناک صورتیں نظر آئینگی کہ بی اے و ایم اے کے معزز تمغے ان کے کندھوں پر ہیں اور فکر معیشت میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ لیکن ایک معمولی آدمی مگر دستکار و عملی کاروبار کا ماہر ان بدنصیب حضرات سے بمدارج خوشحال ہے۔ یہ دیکھکر کسی کا وہ مقولہ یاد آتا ہے کہ "پڑھیں فارسی اور بیچیں تیل۔ یہ دیکھو قدرت کا کھیل"۔ ان سے تو بمبئی کے میمن و خوجے و بوہرے و مارواری و بھاٹئے وغیرہ ہی بہتر ہیں جو صرف اپنی مادری زبان کے ساتھ مروجہ عملی کاروبار کرتے اور خوشحال رہتے ہیں ٭

اگر ہم اس واجب الرحم طبقہ کی ایک جماعت کو لیکر اُن کا تجزیہ و تحلیل کرنا شروع کریں تو شاید ۷۵ فیصدی ایسے نکلینگے جو مدرسوں و کالجوں میں سخت دماغی بار کے باعث جو ایک اجنبی زبان پر سخت محنت کرنے اور مضامین کی کثرت اور مطالعہ کی شدت کی وجہ سے اُٹھانا پڑتا ہے ضعف اعصاب، خلل معدہ زوال اشتہا۔ اختلاج قلب۔ ضعف بصارت۔ اور درد کمر کی دائمی شکایات میں مبتلا رہتے ہیں اور زندگی کی ان خوشیوں سے جن کا دارومدار خون کی قوت اور دل کی زبردست حرکت پر ہے بہت کچھ محروم ہو جاتے ہیں اور کم و بیش زندگی کے عملی کاروبار سے ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ ۲۰ فیصدی ایسے ملینگے جن کا علم محض نمائشی و مجلسی ہے اور کسب معاش سے اسکو بہت کم تعلق ہے مثلاً انگریزی تقریر و لب و لہجہ میں بہت ہی طرار اور مثل ایک گریموفون کے ہونگے۔ قدیم کلاسک و جدید لٹریچر سے بہت کچھ واقف ہونگے۔

شیکسپیر یا عمر خیام ورد زبان ہونگے لیکن وہ علوم سائنس اور اُن کے عملی مفاد
سے جن کا تعلق تدبیر معیشت سے ہے بے بہرہ ہونگے۔ ۹ فیصدی ایسے
بھی ہونگے جن کا دماغ جغرافی اقلیدسی ریاضی تاریخی واقعات کا ایک زنبیل
ہوگا مگر اُن میں اُس عملی استعداد کی کمی ہوگی کہ جس سے وہ اُن مجرد اصولوں
کو عملی کاروبار میں لگا سکیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عملی کاروبار میں بہت سے
ایسے لوگ کامیابی کے ساتھ کام کرتے ہیں جنہوں نے کسی جدید مدرسہ یا کالج
میں تعلیم نہیں پائی بلکہ تھوڑے سے بُنیادی علم اور بہت سے تجربے اور
عملی کاروبار کی بدولت وہ بہت خوش حال ہیں۔ کہیں اِکّا دُکّا ایسا بھی نظر
آجائیگا جس کو فی الحقیقت تعلیم یافتہ کہا جا سکے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
ہمارا نظام تعلیم ہمارے نوجوانوں کے دماغوں کے لئے بہت بھاری ہے۔
دوسرے وہ بہت کچھ نمائشی و مجلسی ہے اور تیسرے وہ بہت کچھ تھیورٹکل
یعنی خیالی و تجریدی ہے جس میں تھیوری و پراکٹس یعنی خیال و عمل ایک دوسرے
سے علیٰحدہ رکھے گئے ہیں۔ ہمیں اکثر ایسے گریجوایٹوں سے ملنے کا اتفاق ہوا
ہے جو معمولی تجارتی کالم جو اخباروں میں روزانہ چھپتے ہیں ان کو بآسانی سمجھنے
سے قاصر تھے حالانکہ بمبئی کے گجراتی داں معمولی تعلیم کے لوگ اُس کو خوب سمجھتے
ہیں۔ ایک عام اعتراض جو آجکل کے نظام تعلیم پر کیا جاتا ہے وہ یہ بھی ہے کہ
اس طریقے سے طلبا میں اُریجنالٹی یعنی خود اپنی ذات و ذہن سے کوئی خیال
یا بات پیدا کرنے کا مادہ نہیں ہوتا جیسا کہ قدیم یونانی طرز کے تعلیم یافتہ لوگوں
میں تھا +

مسئلۂ تعلیم سخت مشکل و پیچیدہ ہے

ان واقعات پر غور کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر نتائج
کی بِنا پر فیصلہ کیا جاوے تو مروجہ اصول و طریقہ
دونوں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسئلہ تعلیم ایک
نہایت اہم اور مشکل مسئلہ ہے۔ ماہرین فن تعلیم باوجود صدیوں کی کوشش
کے اُس کو پورے طور پر حل نہیں کر سکے۔ اس مسئلہ کے متعلق مختلف تھیوری (اصول)

Scanned by CamScanner

ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر معقول معلوم دیتی ہے۔ کوئی کلاسکل خیال کا مؤید ہے یعنی زبانہائے قدیم و علم ادب اور اس کے ذیلی علوم کو اصلی تعلیم سمجھتا ہے۔ کوئی سود مندی کے معیار سے علوم کی قدر و قیمت قرار دیتا ہے۔ جزئیات میں جاکر اور بھی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک فرقہ مذہب کی تعلیم کو بالکل غیر ضروری سمجھتا ہے تو دوسرا اسکو ضروری سمجھتا ہے مگر بعض خاص شرطوں اور حدوں کے ساتھ۔ اور تیسرا یہ چاہتا ہے کہ مذہبی فرقہ بندی کے اصول پر مذہبی تعلیم دی جائے۔ کوئی جبری تعلیم کا حامی ہے تو دوسرا اختیاری کا۔ ہم ان مختلف اصولوں میں سے کسی کو برا نہیں کہتے بلکہ حالت وقت و موقع کے لحاظ سے ایک ہی وقت میں ایک اصول مستحسن ہو سکتا ہے تو دوسرے وقت میں مضر۔ مثلاً جو اصول ادنےٰ درجہ کی تہذیب کی حالت میں مستحسن ہو ضرور نہیں کہ وہ اصول اعلےٰ درجہ کی تہذیب کی حالت میں بھی مستحسن ہو۔ یہ ماہرین فن اور مصلحان قوم کا کام ہے کہ وہ ہر ایک اصول کو جانچیں۔ اور ہر ایک طرق کے حسن و قبح کی چھان بین کر کے جو طریقہ حالت موجودہ کے لحاظ سے مفید اور قابل عمل ہو اس کو اختیار کریں۔ ہمارے ملک میں اب تک ۲ طریقے تعلیم کے موجود ہیں ایک تو پرانا بوسیدہ مکتبی طریقہ جو پرانے طرز کے لوگوں میں مثل چراغ سحری کے ٹمٹما رہا ہے اور دوسرا بیسویں صدی کا طریقہ جو مغرب کی نقل پر مبنی ہے۔ ہم کو اپنی حالت اور موجودہ زمانہ کی سخت کشمکش کے لحاظ سے سب سے پہلے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو تدبیر معیشت میں ہماری معاون ہو یعنی جس سے ہم دولت (جس کے بغیر نہ شخصی ترقی ممکن ہے نہ قومی) حاصل کر سکیں۔ مثلاً زراعت صنعت تجارت۔ کاریگری کا علم وغیرہ۔ کیونکہ معاش معاد پر مقدم ہے۔ وہ علم جس کا حاصل کچھ نہیں نہ صرف بے فائدہ بلکہ مضر ہے۔ شیکسپیر یا عمر خیام میں مہارت پیدا کر لینے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ علوم پیٹ بھرے کے لئے دل بہلانے کو اچھے ہیں ÷

دو باتوں کی اشد ضرورت

ہمارے ملک کو اس وقت ۲ باتوں کی بہت ضرورت ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ (اولاً) ملک کی ضروریات و وسعت کے لحاظ سے تعلیمی وسائل کی بے حد کمی ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو ابتدائی تعلیم کو دیسی زبانوں کے ذریعے سے عام کیا جاوے (ثانیاً) موجودہ و مروجہ تعلیم میں جو نقائص پائے جاتے ہیں ان کی اصلاح کی طرف توجہ مائل کی جاوے۔

تعلیم کو عام کرنے کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ امریکہ کے عروج اور جاپان کی بیداری کی ابتدائی ترقی کے بیج تعلیم عمومی میں ہم کو ملتے ہیں۔ ایک امریکن مورخ کہتا ہے کہ ہماری ترقی کی ابتدا اُس وقت سے ہوئی جب ہمارے ۹۰ فیصدی اپنی مادری زبان میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اسی طرح جاپان میں آج ۹۸ فیصدی اپنی مادری زبان میں لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ آج جو بہت سے کٹھن مسائل گورنمنٹ اور ملک کے سامنے درپیش ہیں اُن سب کا حل اسی میں ہے کہ تعلیم عام کر دی جائے اور وہ ہر صوبے کی دیسی زبانوں کے ذریعے سے ہو۔ اور نصاب تعلیم ایسا ہو جو مُفید ہو سہل ہو اور اُس میں طوطے کی طرح رٹنا کم ہو اور وہ عقلی و اخلاقی و جسمانی قوتوں کو اُبھارنے والا اور ترقی دینے والا ہو۔ سُنا جاتا ہے کہ مشرقی بنگال میں کوئی ایسی ہی اصلاح زیر تجویز ہے۔

اب ہم سب سے پہلے اُن نقائص پر بحث کرینگے جو ہماری نظر میں ہمارے ملک کے موجودہ طریق تعلیم میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ طریقے پیش کرینگے جو اکثر تجربہ کاروں کے تجربہ میں مُفید و معقول معلوم ہوئے ہیں۔ اور آخر میں ہم اُن لوگوں کے لئے جو پرائیویٹ سٹوڈنٹ ہیں یعنی علم کو بطور خود حاصل کرنے میں مشغول ہیں چند مفید معلومات 'کتب' کے متعلق و نیز مفید ہدایات و طریقے 'مطالعہ کرنے' اور 'نوٹ کرنے' کے درج کرینگے۔

مروجہ تعلیم کے نقائص

تعلیم مروجہ کے عام نقائص۔

(۱) پورے طور سے عملی نہیں

موجودہ طریق تعلیم پورے طور سے عملی نہیں ہے۔

لفظ علمی ہم ایک وسیع معنے میں مراد لیتے ہیں اس سے ہماری مراد اول تو یہ ہے کہ تعلیم کی جو اصل غایت ہے کہ وہ انسان کو زندگی کی سخت کشمکش میں اپنی حفاظت بقا کے لئے تیار و مضبوط کرے - اور اسکی عقلی و اخلاقی و جسمانی حالتوں کو اس طور پر ترقی دے کہ وہ کامل طور پر زندگی بسر کر سکے جو کہ فطرت کا مقصد ہے - اس کا ظہور نہایت ناقص طور پر ہوتا ہے - حفاظت نفس انسان کا سب سے مقدم فطرتی فرض ہے - چونکہ بقاے نفس پر سب کچھ موقوف ہے اس لئے فطرت خود معلم ہوکر بچپنے ہی سے انسان کو ان ضروری چیزوں سے متنبہ و ہوشیار کردیتی ہے جو ہر لحظہ منجر بہ ہلاکت ہوتی ہیں - لیکن دُنیا میں ایک اور شے ہے جس کو بقاے زندگی کے لئے کشمکش کرنا کہتے ہیں اور اس کے لئے ضرور ہے کہ انسان اپنی حفاظت و بقا کے لئے اپنے کو تیار کرے - اور یہ وسائل معاش کا علم ہے اور اس کو تمام علوم پر تقدیم ہے - یا صاف لفظوں میں یوں کہیں کہ پیٹ پالنے کا علم سب سے مقدم ہے - بدیں وجہ کسی طریقہ تعلیم میں سب سے اہمیت ایسے مضمونوں کو دی جانا چاہیئے جو حفاظت نفس و بقاے ذاتی و قومی کے ممد و معاون ہوں - لکھنا پڑھنا بنفسہ علم نہیں جب تک کہ وہ کسب معاش میں ممد و معاون نہ ہو - ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری مروجہ تعلیم میں سب سے زیادہ زور انگریزی زبان ادب اور اسکے ذیلی علوم پر دیا جاتا ہے - ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ ہونے کا اطلاق صرف انگریزی دانی ہے - ہزاروں

مروجہ تعلیم بہت کچھ لٹریری یعنی ادبی ہے

نوعمر اپنا بہت سا وقت قوت اور صحت انگریزی زبان اور اُس کے قواعد کو حفظ کرنے اور مشق کرنے میں صرف کردیتے ہیں تا کہ کوئی دفتری نوکری انکو مل جاوے اور جونہی کہ تین R (ریڈنگ (پڑھنا) رائٹنگ (لکھنا) رتھمیٹک (حساب)) میں کچھ شُد بُد حاصل کر لیتے ہیں اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھکر دفتری نوکریوں کی سرگردانی میں پڑجاتے ہیں - حالانکہ انگریزی دانی لکھنا پڑھنا بنفسہ علم نہیں - البتہ ایک ذریعہ بحالت موجودہ اُن علوم و فنون کے حاصل کرنے کا

ہے جو اب تک انگریزی زبان میں مقید ہیں اور جس روز کہ یہ علوم ہماری مادری زبان میں (جنکی اشد ضرورت ہے) آجائینگے تو پھر انگریزی دانی کی چنداں ضرورت نہ رہیگی اور ہمارا دماغی بار نصف سے زیادہ گھٹ جائیگا کسب معاش میں وہی علوم مفید ہیں جن کا تعلق عملی کاروبار زندگی سے ہے - اگر ایک معمولی انگریزی داں دوسرے ممالک میں جائے تو اس کو صاف ظاہر ہو جائیگا کہ محض انگریزی دانی براہ راست اُس کے حصول معاش میں براہ راست موید نہیں ہو سکتی - خواہ وہ شیکسپیر یا عمر خیام میں کیسا ہی ماہر کیوں نہ ہو - ہمارا خیال ہے کہ جب تک ہندوستان کی تعلیم عام اور ہماری مادری زبان میں نہ ہوگی کوئی معتدبہ نتیجہ ملک کی فلاح کا نہ نکلیگا +

حافظہ پر بہت بار ڈالا جاتا ہے

دوسرا نقص تعلیم کے عملی نہ ہونے کا یہ ہے کہ موجودہ تعلیم میں حافظہ پر حد سے زیادہ بار ڈالا جاتا ہے - ماسوا اجنبی زبان سیکھنے کے طلبا کو بہت ایسے جزئیات واقعات جغرافی و تاریخی و ہندسی یاد کرنا پڑتے ہیں جن کا کسب معاش سے بہت خفیف تعلق ہے اور بعض تاریخی واقعات تو ایسے ہیں کہ اگر وہ نظر انداز کردئے جاتے تو مفید ہوتا +

جغرافی تعلیم کے نقائص

جغرافی علم محض بطور ایک پوسٹ آفس یا ریلوے گائیڈ کے ندیوں - نالوں اور پہاڑوں - موسموں - گرمی اور سردی اور بارش کی مقدار یاد کرا دینے پر محدود ہوتا ہے - لیکن وہ اسباب جو ان واقعات پر حکمران ہیں طالبعلم کی نظر سے پوشیدہ رہتے ہیں طالبعلم 'کیا' اور 'کہاں' کا جواب تو حافظہ سے دیدیتا ہے لیکن 'کیوں' اور 'کسواسطے' کا جواب دینے کی بہت کم قوت رکھتا ہے - وہ یہ تو جانتا ہے کہ گرمیوں میں پچھوا اور برسات میں پوربی ہوا شمال ہند کی فضاؤں میں بہتی ہیں لیکن یہ کیوں ہوتا ہے ؟ اس کا جواب باسانی نہیں دے سکتا - اور نیز وہ کیا اسباب ہیں جو ملک ہند کی آب و ہوا

کو معین کرتے ہیں۔ کسی مقام کے عرض البلد۔ بلندی۔ سمندر سے فاصلہ۔ موسمی ہواؤں اور پہاڑوں کے سلسلے کے باعث کیا خاص تاثیریں اس ملک کی آب وہوا پر اور نباتات وحیوانات پر ہوتی ہیں ایک معمولی جغرافیہ کا طالبعلم ان کا جواب بمشکل دے سکتا ہے۔ اسی طرح وہ طبعی وموسمی مظاہرات کے اختلافات اور اوقات کو تو جانتا ہے لیکن ان طبعی اور موسمی مظاہرات کے اسباب اور انسان کی زندگانی۔ خصائل واشغال پر جو اُن کے اثر ہوتے ہیں اس پر غور کرنے اور سمجھنے کا اس کو بہت کم موقع ملتا ہے۔ حالانکہ اِن حالات کے خوب جاننے اور سمجھنے پر اپنی حالت اور اپنے ملک کی خوشحالی کا بہت کچھ انحصار ہے۔ جغرافی علم کی اصل غایت ان اسباب سے بحث کرنا ہے نہ کہ محض ناموں اور مقاموں۔ موسموں اور قوموں کی ایک فہرست یاد کرادینا۔

تاریخی تعلیم کے نقائص

مدرسوں کی تاریخ کو اگر علمی اور فائدے کی معیار سے دیکھیں تو اس میں سب سے زیادہ اصلاح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ علم تاریخ کی غایت یہ نہیں ہے کہ اس میں بادشاہوں کی سوانح عمریاں۔ درباری سازشیں۔ حیلے منصوبے۔ حملے اور لڑائیوں کے غیر منضبط واقعات یاد کرادئے جائیں۔ اس سے طالب علم کو چال چلن کے اصول قائم کرنے میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ مثلاً تاریخوں میں عموماً یہ پڑھایا جاتا ہے کہ فلاں خرخشہ اقتدار وسلطنت کی غرض سے پیش آیا۔ دونوں طرف کی فوجیں میدان جنگ میں خوب جم کر لڑیں۔ سپہ سالاروں اور اُن کے بڑے ماتحتوں کے یہ نام تھے۔ ہر ایک کے پاس اتنے ہزار سوار اور پیادے اور اتنی توپیں تھیں۔ اس ترتیب سے اُنہوں نے اپنی فوجوں کو میدان جنگ میں صف آرا کیا۔ فلاں فلاں طریق سے حکمت عملی سے کام لیا۔ حملہ کیا۔ پسپا ہوئے۔ فلاں مشہور سردار ایک خاص وقت میں کام آیا۔ فلاں مقام پر پلٹن کا ایک حصہ ضائع ہوگیا۔ لڑائی کی قسمت کے بعد فلاں فوج فتحیاب ہوئی اور ہر طرف سے اتنے آدمی مقتول ومجروح ہوئے۔ اور اتنے اسیر ہوئے۔

یا مثلاً کہ سیواجی نے افضل خاں کو یوں دھوکے سے مار دیا۔ اور اورنگ زیب نے ہندوؤں کے ساتھ یوں سختیاں برتیں۔ یا مثلاً بلیک ہول کے واقعہ کو ایک بڑا پولیٹکل واقعہ کر کے دکھانا۔ ایسے واقعات سے طلبا کو علم تاریخ کے جو فوائد ہیں نہیں حاصل ہوتے بلکہ قومی تنفر۔ اور جدائیاں پیدا ہوتی ہیں تاریخ کی اصلی غایت بادشاہوں کی سوانح عمریاں یا غیر منضبط واقعات کا بیان کرنا نہیں بلکہ تاریخ قوموں کی سوانح عمری کا نام ہے جس سے کسی قوم کی تمدنی معاشرت۔ اُن کے گھٹنے بڑھنے ترقی کرنے اور برباد ہونے کے واقعات کا علل معلول معلوم ہو سکے جس کو پڑھکر طالبعلم اپنے چال چلن کے لئے ایک اصول قائم کر سکے ✤

حسابی علم کے نقائص

علم حساب کی تعلیم میں زیادہ تر مجرد واقعات کی تعلیم بلا اُن کے خارجی تعلقات کے سمجھائے ہوئے دی جاتی ہے۔ حساب کے مجرد اصول دماغ میں بھرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ کہ ان اصولوں کو روزمرہ کے مختلف پیشوں اور سوداگریوں میں کس طور سے لگانا چاہیئے بہت کم سمجھایا جاتا ہے۔ باوجود علم حساب و ہندسہ کے پورے طور پر جاننے کے کتنے ہیں جو روزانہ اخباروں میں منی آرٹیکل (یعنی تجارت وحصص و روپیہ کے متعلق مضمون) چھپتے ہیں اُنکو بآسانی نہیں سمجھ سکتے۔ حالانکہ یہ ایک بالکل معمولی بات ہے۔ یہ شکایت اکثر سُننے میں آتی ہے کہ اسکول یا کالج سے نکلا ہوا ایک مکمل طالب علم تجارتی و کاروباری کام کو اُس آسانی سے انجام نہیں دے سکتا جتنا کہ ایک عام آدمی جس نے لکھا پڑھا تو تھوڑا ہے مگر عملی طور پر بہت کچھ سیکھا ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا طریقۂ تعلیم بہت کچھ تھیورٹیکل یعنی ذہنی وخیالی ہے بہ نسبت عملی کے۔ اس کا ایک خراب نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ طلبا اپنی ناقص تعلیم کے باعث تجارتی وعملی کاروبار میں بہت کم دلچسپی لیتے اور دفتری ملازمت کی طرف جس میں بطور ایک کل کے کام کرنا پڑتا ہے

مثلِ پروانہ بشمع کے مصداق ہو جاتے ہیں ؎

علمِ صحت کی کمی

صحت جس پر انسان کی ساری خوشی و زندگی کا دار مدار ہے اس کی باقاعدہ تعلیم کی ہمارے مدرسوں میں سخت کمی ہے۔ بیماری اور مزمن امراض کی حالت اور اُن سے بچنے کی تعلیم بہت کم دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ بالعموم جدید تعلیم یافتہ نوجوان جسمانی صحت کے لحاظ سے ایک دردناک منظر ہیں۔ کیا خوب ہو کہ ہفتہ میں دو مرتبہ فزیالوجی یعنی علم تشریح اعضائے انسانی کے لیکچر طلبا کو مع تجربوں کے دئے جائیں اور ان کو اُن صحت کی تباہ کرنے والی باتوں سے صاف صاف روکا جائے جو ہزاروں نوجوانوں کی تباہی کا باعث ہو رہی ہیں ؎

غیر زبان سیکھنے کا بار اور مضامین کی زیادتی اور ناقص ترتیب

ہمارے نصاب تعلیم معین کرنے والوں نے باوجود یہ جاننے کے کہ ہندوستان کے گرم ملک کے بالطبع کمزور نسل کے لئے ایک اجنبی زبان کا سیکھنا غیر معمولی بار ہے، بہت کم اس بات کی رعایت رکھی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مضامین کم ہوں۔ پھر مضامین کی کثرت اور اُن کی ترتیب قابل غور مسئلہ ہے جس پر ہم آئندہ بحث کرینگے ؎

ہمارے خیال میں مادری زبان لکھنے پڑھنے اور حساب کے فوائد کو جو عملی کاروبار بنج بیوپار حساب کتاب رکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور علم ہندسہ کے عملی فوائد سمجھانے کے بعد سائنس کی تعلیم پر زیادہ وقت صرف ہونا چاہئے جس کا تعلق صنعت و حرفت کے کاموں سے ہے۔ جس سے تجارتی مال پیدا کرنے۔ تیار کرنے اور تقسیم کرنے کی لیاقت اُن میں پیدا ہو۔ ضروری بات یہ ہے کہ طالب علم کو بہ نسبت عقلی واقفیت کے عملی واقفیت حاصل کرائی جائے۔ ہمارے طریق تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ زیادہ تر لٹریری یعنی ادبی ہے جس سے کسب معاش میں بہت کم مدد ملتی ہے۔ دوسرے۔ وہ عقلی ہے بہ نسبت عملی کے۔

اور تیسرے سائنس کی تعلیم ایسی خفیف ہے کہ بمنزلہ عدم کے ہے۔ اسکے نتائج اظہر من الشمس ہیں کہ ملک میں پڑھے لکھے بیکاروں کی ایک پراگندہ فوج پیدا ہوگئی ہے۔ جو سوائے دفتری کاروبار کے بہت کم اور کسی کام کے لائق ہے اور سائنس کے نہ جاننے سے ہمارے ملک کو ایک نقصان عظیم پہنچ گیاہے۔ فی زمانہ اشیاکی پیداوار کے کاموں میں سائنس کا بڑا دخل ہے ہمارے اہل حرفہ سائنس نہ جاننے کے باعث تباہ ہوگئے ہیں اور نہیں جانتے کہ کیا کریں۔ ہماری دستکاریاں صفحہ ہستی سے معدوم ہوچلی ہیں۔ پس بڑی ضرورت یہ ہے کہ معمولی لکھنے پڑھنے وحساب وہندسہ سیکھنے کے بعد ہمارے نوجوان کسی پیشہ یا صنعت وحرفت کو سیکھیں اور اُس کے لئے سائنس کی تعلیم سب سے مقدم ہے۔ جس میں بعض شاخیں جیسے کہ ریاضی و طبیعی وکیمیائی ہر شخص کے لئے جاننا لازمی ہے۔ یہ رسمی علم اُسی طرح بیکار ہے جیسا کہ ہمارا قدیم مکتبی علم۔ کیونکہ جو علم نہ حفاظت نفس میں مدومعاون ہو اور نہ جس علم سے حصول معاش میں سہولت پیدا ہو وہ محض تضیع اوقات ہے۔ بلکہ بعض لحاظ سے مُضر اور خطرناک بھی ہے ✣

۲۔ موجودہ طریقہ تعلیم میں حب الوطنی کا خمیر نہیں ہے

موجودہ طریقہ تعلیم میں حب الوطنی کا خمیر نہیں ہے فی زمانہ ہر قوم اپنی بقا کے لئے اور "جنگوازم" یعنی جنگ وجدل میں اپنی مدافعت کے اس بات کی کوشاں ہے کہ نوجوانوں کو حب الوطنی کی تعلیم اس طور پر دی جائے کہ ملک میں تمدنی اور ملکی اتحاد قائم ہو۔ حب الوطنی ایک زبردست مسلمہ قوت ہے، اور گویا قوموں کے جہاز کا لنگر ہے۔ انگلستان کی تاریخ۔ فرانس کی تاریخ۔ اٹلی کی تاریخ۔ عرب کی تاریخ۔ جاپان کی تاریخ حب الوطنی کے فسانوں سے پُر ہیں۔ جاپانی مدرسوں میں حب الوطنی کے درس کے لئے ہفتہ میں دومرتبہ ایک گھنٹہ مقرر ہے۔ ہمارے ملک کی تاریخ بھی حب الوطنی کے فسانوں سے پُر ہے مگر افسوس کہ یہ مضمون ہمارے نصاب تعلیم میں بالکل نہیں رکھا گیا۔

ہمارے نوجوان معاملات وحقوق بلدیہ (میونسپل) سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ وہ اُن فرائض سے بالکل غافل ہیں جو فرائض بلدیہ کہلاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہندستانی لوگوں میں من حیث القوم وہ یگانگت و اتحاد نہیں جو دُنیا کی دیگر قوموں میں نظر آتی ہے۔ ملکی معاملات سے جو عام جہالت و بے اعتنائی ہمارے ملک میں ہے وہ پرد٭ دُنیا پر شاید کہیں نہیں۔ حب الوطنی کی تعلیم کے چند ذریعے ہیں۔

اوّل۔ تاریخی واقعات سے اور ملک کی قدرتی عظمت سے طلبا کے دل میں اپنے ملک کی محبت پیدا کرنا۔

(۲) ہر ایک طالبعلم کو حقوق بلدیہ سے ماہر کرنا اور اُس کے فرائض اسکو بتلانا۔

(۳) حب الوطنی کے وعظ و گیت سنانا اور یاد کرانا۔ بعض لوگ شاید حب الوطنی کی تعلیم کو خوفناک سمجھیں لیکن درحقیقت اگر حب الوطنی ایک عمدہ چیز ہے تو اُس سے ڈرنا بے فائدہ ہے۔ ہمارے خیال میں عمل خیر کے لئے دُنیا میں دو چیزیں بڑی محرک ثابت ہوئی ہیں۔ اوّل حب الوطنی۔ دوم خدا اور سچائی کی محبت۔ فی الحال جو اس ملک میں کشاکشی مچی ہوئی ہے وہ محض اس باعث سے ہے کہ ملک میں سچی حب الوطنی کی کمی ہے۔

۳۔ جذبات کی ترقی سے مطلق بے اعتنائی ہے

موجودہ طریقہ تعلیم میں جذبات کی ترقی سے مُطلق بے اعتنائی ہے۔

عرصۂ دراز سے اطراف ملک سے یہ صدائیں آرہی ہیں کہ نوجوانوں میں فطرت نے جو جذبات رکھے ہیں اور جو نیکی و اخلاق کے سب سے زبردست محرک ہیں اُن کی ترقی دینے کی موجودہ طریقہ تعلیم میں کوئی سبیل نہیں۔ مذہبی تعلیم تو ہندوستان کے نصاب سے خارج ہے اور ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ مذہب ایک شخصی شے ہے لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو فطری

جذبات ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں ان کو ضرور ترقی دینا چاہیئے اور غالباً مدارس میں ان کی ترقی سے کسی مذہب و ملت کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ دُنیا جس میں ہم بستے ہیں محتاجی۔ بیماری۔ دکھ تکلیف و جہالت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ آہ! کیا ہم اُن کو دیکھیں اور اپنے بنی نوع کو ایک تنکے کا سہارا بھی نہ دیں۔ انہی جذبات کا تقاضا ہے کہ انسان جس گوشہ میں رہتا ہو اُس کی محتاجی۔ بیماری دُکھوں اور جہالت کو حتےّ المقدور گھٹانے کی کوشش کرے۔ جذبات کے ترقی دینے سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ نوجوانوں میں بنی نوع کی بھلائی اور سچائی کے جفاکشی صبر و استقلال ہمدردی و فروتنی کے خصائص پیدا کئے جاویں۔ انہیں جذبات کی پوری ترقی سے انسان میں **قوت عملی** پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے لئے۔ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے لئے۔ قوم کے لئے اور ملک کے لئے ایک مفید انسان بن جاتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کی زندگی اور کام و محنت کو ہمدردی سے دیکھتا ہے۔

۴۔ لائق مدرسوں کی کمی

موجودہ طریقۂ تعلیم میں لائق مدرسوں کی کمی ہے۔ یہ آخری مگر سب سے اہم نقص اور مشکل ہے۔ تعلیم کی سو میں سے ۹۹ حصہ خوبی معلم پر منحصر ہے۔ ملک میں لائق معلموں کا قحط ہے۔ پیشہ معلمی ہمارے زمانہ میں وہ قدر و قیمت اور مرتبہ نہیں رکھتا جو مشرقی ممالک میں قدیم سے رہا ہے۔ مالی لحاظ سے اس میں معلم کو وہ امیدیں نہیں جو اور پیشوں میں ہیں۔ عزت کے لحاظ سے بھی ایک مدرس کی کسی قصبہ یا شہر میں بمقابلہ دیگر پیشوں کے چنداں عزت نہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ اسلامی ممالک میں لائق معلموں کی تعظیم کے لئے بڑے بڑے بادشاہ اور وزرا اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اسلامبول میں علما اور مدرس بعض محصول سے مستثنےٰ کر دیئے جاتے ہیں اور اُن کی سفید پگڑی دیکھکر بڑے بڑے پاشا ان کی عزت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معلم بہت غریب ہوتے ہیں۔ اسی طرح

شاید ہندوؤں میں بھی برہمن معلموں کی بڑی تعظیم وتکریم ہوتی ہے۔ اگر قوم وملک ان استادوں کی مالی حالت کے سدھارنے اور تعظیم وتکریم اور بعض ٹیکسوں سے ان کو مستثنیٰ کرنے اور خاص حقوق بلدیہ بسبب اُن کی اُستادیت کے عطا کرنے سے اُن کی عزت افزائی کرے تو بہت جلد ملک میں لائق معلموں کا گروہ پیدا ہو جاوے۔ کہیں کہیں جو لائق معلم ہیں تو وہ سسٹم کی جکڑبندیوں۔ ہر سال نصاب تعلیم کی تبدیلیوں اور امتحانات کے نتیجوں کی فکروں سے ایسے پابند ہیں کہ وہ اپنے تجربہ کے طریقوں سے تعلیم نہیں دے سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ سب طلبا ایک ٹائپ کے بن کر نکلتے ہیں اور مختلف طلبا میں جو مختلف قسم کے ذاتی جوہر ہیں انکی نشو ونما نہیں ہوتی ٭

مروّجہ تعلیم کے ان عام نقائص کے دکھلانے کے بعد آیندہ ہم ایک خاکہ ایسے طریقہ تعلیم کا پیش کرینگے جو بہت سے ماہرین فن کے تجربہ سے مُفید ثابت ہوا ہے ٭

باب سوم

گزشتہ باب میں ہم نے مسئلہ تعلیم کے متعلق اپنے ناظرین کی توجہ کو دو اہم امورات کی طرف مائل کیا یعنی اوّلاً تعلیم کی اہمیت اور اُسکی اصلی وحقیقی غائت ومعیار پر اجمالاً بحث کی اور ثانیاً اُس معیار کے لحاظ سے ہندوستان کے مروجہ طریقہ تعلیم میں جو عام نقائص ومشکلات پلئے جاتے ہیں وہ دکھلائے۔ اس باب میں ہم اُس طریقہ تعلیم سے بحث کرینگے جو ہمارے خیال میں ملک کے لئے مفید وعلمی ہوگا۔ تعلیم کی اصلی وحقیقی غایت جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ "وہ انسان کے جسمانی

عقلی و اخلاقی قوے کو اس طور پر ترقی دے کہ انسان بحیثیت انفرادی و اجتماعی اس دُنیا میں خوشی و بہبودی کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ پس طریقہ تعلیم سے پہلے جو سوال سب سے مہتم بالشان اور مقدم ہے اور جس کی ماہیت کو خوب سمجھ لینے پر ہماری زندگی کی بہبودی منحصر ہے وہ یہ امر ہے کہ علوم میں کونسا علم سب سے زیادہ قیمتی ہے؟ اور آیا بلحاظ سود مندی یا قدر و قیمت کے

کونسا علم سب سے زیادہ قیمتی ہے؟

ان علوم کی کوئی عمدہ اور سائنٹفک یعنی عالمانہ ترتیب ہے۔ مثلاً جس طرح حوائجات انسانی کے لحاظ سے اشیا کی قدر و قیمت ہوتی ہے اور بعض اشیا ایک دوسرے پر اس لحاظ سے مقدم و بیش قدر سمجھی جاتی ہیں اسی طرح علوم کی بھی کوئی ترتیب ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اشیا جن پر حیات انسانی کا انحصار ہوتا ہے سب سے مقدم ہیں مثلاً غذا۔ اس کے بعد لباس۔ پھر مکان پھر علےٰ ہذا القیاس دیگر ضروریات +

(۱) مختلف علوم میں کونسا علم سب سے زیادہ قیمتی ہے؟ اس کا جواب مختلف لوگ مختلف طور پر دینگے۔ ایسا آدمی جو بھوک سے مر رہا ہو اس کا یہ جواب دیگا کہ وہ علم سب سے زیادہ قیمتی ہے جس کے ذریعے سے میں روٹی کما کر اپنا پیٹ بھر سکوں۔ ایک پیٹ بھرا آسودہ آدمی کہیگا کہ وہ علم سب سے زیادہ قیمتی ہے جس سے لوگوں میں شان نمود عزت و توقیر حاصل ہو۔ اس کا فیصلہ ہر شخص اور ہر قوم و ملک کو اپنے حالات کے لحاظ سے کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ علوم مختلف اور غیر محدود ہیں اور سارے علوم اپنی اپنی جگہ پر مفید ہیں مگر ہماری ضروریات مختلف ہیں اور مدت حیات نہایت قلیل ہے اور تحصیل علم کا زمانہ نہایت محدود ہے۔ پس جو کچھ تھوڑا بہت وقت ہمارے پاس ہے اس کو اس طرح کام میں لائیں کہ اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ دانشمندی اس امر کی مقتضی ہے کہ سب سے پہلے اپنی ضروریات اور اپنے ملک کے حالات کے لحاظ

سے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے اور اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے اس بات کا اندازہ کر لیا جائے کہ کونسا علم درحقیقت بلحاظ نتائج کے ہمارے اور ہماری اولاد کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور سودمند ہوگا۔ نہ یہ کہ محض بطور فیشن بے سوچے سمجھے ایسی تعلیم کی پیروی کی جائے جو بہت کچھ نمائشی ہو اور کسب معاش میں ہماری رہنمائی نہ کر سکے۔ ہر ملک میں آبادی کی کثیر تعداد کی معیشت کا انحصار صنعت و حرفت تجارت و زراعت پر ہوتا ہے اور قلیل التعداد کا ملازمت پر۔ پس یہ نہایت غور طلب بات ہے کہ جس تعلیم پر ہم اپنا اور اپنے عزیز بچوں کا بیش قدر وقت۔ قوت اور روپیہ صرف کرتے ہیں بلحاظ نتائج کے وہ کس قدر قابل وقعت ہے۔ آجکل متوسط درجہ کے لوگوں میں ایک عام میلان اس قسم کا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ۸ یا ۱۰ سال ہندوستان کی معمولی تعلیم دلا کے بلا سوچے سمجھے ولایت بھیج دیتے ہیں تاکہ اُن کے صاحبزادے صاحب بارسٹر ایٹ لا بنکر آجائیں۔ ۳ سال ولایت کی تعلیم میں اوسطاً ۱۰ ہزار صرف ہوجاتا ہے۔ ان بارسٹروں میں غالباً ۹۵ فیصدی نمائشی بارسٹر ہوتے ہیں۔ بجز لٹریری یعنی انگریزی علم ادب کے وہ اور کوئی شے بہت کم جانتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اکثر انگریزی علم ادب میں بھی ناقص ہوتے ہیں۔ ان کی مالی حالت نہایت خراب رہتی ہے۔ حالانکہ جس قدر وقت قوت و روپیہ انہوں نے اس نمائشی بارسٹری کے لئے صرف کیا اُسی سے وہ زراعت یا تجارت کرتے یا کوئی کارخانہ کھولتے یا کم از کم ولایت میں کوئی صنعتی تعلیم حاصل کرتے تو بہتر رہتے بلا سے اگر بارسٹر ایٹ لا کا دُم چھلا اُن کے نام کے ساتھ نہ لگا ہوتا۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ یورپ کے سفر سے ان نوجوانوں کے خیالات و تجربے میں وسعت ہوجاتی ہے لیکن زمانہ حال میں ایک اوسط درجہ کے ہندی نوجوان کے لئے سب سے مقدم کسب معاش ہے۔

یہ غلطیاں محض اسی وجہ سے ہوتی ہیں کہ ہم نے علوم کی اہمیت و طاقت

کو تو جان لیا ہے لیکن ہنوز علوم کی اضافی قدر وقیمت کا اندازہ نہیں کیا۔ اس کے لئے کوئی خاص معیار قائم کرنا تو مشکل ہے کیونکہ ہر علم کا عالم اپنے علم کے فائدے کا راگ الاپتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ ہر ایک راگ اپنے اپنے موقع پر حظ وسرور بخشتا ہے۔ طبیب۔ ریاضی داں۔ علم الحیوانات کا عالم اور فلسفی۔ طبیعات کا ماہر۔ الہیات کا محقق ہر ایک اپنے اپنے فن کے فوائد بیان کریگا۔ علم طب کا جاننے والا کہیگا کہ یہی وہ علم ہے جس پر انسان کی صحت وحیات کا انحصار ہے۔ علم الٰہیات کا شیدا کہیگا کہ یہ وہ علم ہے جو انسان کو بدی سے بچاتا اور نیکی کی طرف رہنمائی کرتا اور انسان کی خوشی کا مستوجب ہوتا ہے۔ بلاشک ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک کہتا ہے مگر ہمارے سامنے تو یہ سوال ہے کہ ہمارے ملک میں زندگی کی سخت کشمکش ہے نفسی نفسی کا سامنا ہے۔ علوم کثیر التعداد ہیں اور مدت حیات قلیل ہے پس ہماری حالت کے لحاظ سے ہمارے لئے سب سے زیادہ کونسا علم مفید ہے؟

علوم کی اضافی قدر وقیمت باعتبار انکی اہمیت کے۔ اسپنسر کی رائے

ہربرٹ اسپنسر نے علوم کی اضافی قدر وقیمت کے درجے انسانی زندگی کی بڑی بڑی ضروریات وعظمت کے اعتبار سے حسب ذیل مقرر کئے ہیں:۔

اوّل وہ علوم جو انسان کی ذاتی حفاظت وبقا میں مدد دیتے ہیں +

دوم وہ علوم جن کی غرض پرورش وتربیت اولاد ہے۔ اور فرائض والدین سے ہم کو مطلع کرتے ہیں +

سوم وہ علوم جو تمدنی حقوق اور فرائض پر مشتمل ہیں یعنی جو ہمارے اجتماعی قومی اور ملکی تعلقات سے ہم کو باخبر کرتے ہیں +

چہارم وہ علوم جو زندگی کے زمانہ فرصت کو مصروف رکھتے ہیں اور مذاق وجذبات کی تفریح کے واسطے مخصوص ہیں +

انسان کے لئے سب سے مقدم اپنی حفاظت اور اپنے آپ کو زندگی کی کشمکش

ہیں قائم رکھتا ہے۔ شخصی بقا پر خاندان اور قوم و سلطنت کا انحصار ہے اس لئے وسائل معاش کا علم جس سے اپنی ذات کی پرورش ہوتی ہے سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد خاندان و بال بچّوں کی پرورش و آسائش کے علم کا درجہ ہے کیونکہ نسل کی عمدہ تربیت و حالت پر قوم کی آیندہ حالت و بہبودی کا انحصار ہے۔ تیسرے درجہ میں وہ علوم ہیں جو انسان کو بلدی و تمدنی۔ و ملکی تعلقاتی زندگی میں مدد دیتے ہیں جن کے بغیر کوئی باشندہ شہر اپنے چال چلن کا انتظام نہیں کر سکتا۔ چوتھے وہ علوم ہیں جو آرام و راحت کے مشغلے ہیں مثلاً علم موسیقی و شاعری و مصوّری و رقص و سرود وغیرہ یہ ترتیب نہایت معقول اور قدرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص حفاظت و بقاے نفس کے مخمصوں میں پھنسا ہو اُس کو تفریحی علوم مثلاً موسیقی۔ شاعری مصوّری میں کیا مزا آ سکتا ہے یہ تو پیٹ بھرے اور فرصت کے تفریحی مشغلے ہیں ٭

ترتیب کے ساتھ تناسب کا بھی لحاظ رہے

ترتیب کے ساتھ ہی تناسب کا لحاظ بھی ضرور ہے یعنی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہر ایک حصے کی تیاری کے درجوں میں ایک معقول تناسب قائم رکھا جاے۔ یہ نہ ہو کہ کسی حصے میں بدرجہ غایت لیاقت حاصل کی جاے خواہ وہ حصہ کیسا ہی ضروری کیوں نہ ہو مثلاً کسب معاش کے معاون علوم میں تو خوب مہارت ہو لیکن پرورش و تربیت اولاد یا تمدنی و ملکی معاملات کی الف با بھی نہ جانتا ہو۔ تعلیم کے سب حصوں پر توجہ کرنا اور اُس کا تناسب قائم رکھنا ضرور ہے۔ یعنی جو علوم وسائل معاش میں سب سے زیادہ قدر و قیمت رکھتے ہوں اُن پر سب سے زیادہ۔ اور جو کم ہوں اُن پر کم اور اُس کے بعد جو سب سے کم ہوں اُن پر سب سے کم توجہ کرنی چاہئے۔ پس سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بات پر غور کر لیا جاے کہ کون سے علوم کا سیکھنا باعتبار اُن کے اصلی و ذاتی قدر و قیمت کے اشد ضروری ہے اور کونسے علوم کا سیکھنا

فی الجملہ واجب ہے اور کن علوم سے واقفیت رکھنا مستحسن ہے جس طرح ضروریات انسانی کے لحاظ سے کھانا لباس پر اور لباس آرائش پر مقدم ہے اسی طرح علوم کا حال ہے ؛

سب سے مقدم تعلیم حفظان صحت ہے

جب سب سے مقدم کام حفاظت اور بقائے نفس ہے تو پھر یہ امر قابل غور ہے کہ وہ کونسے علوم ہیں جو ہمیں ہمارے ممد و معاون ہیں۔ ایک عربی مقولہ ہے "العلم علم الأبدان وعلم الادیان" یعنی مقدم علم بدن کی حفاظت اور ثانیاً روح کی حفاظت ہے۔ یہ نہایت عالمانہ مقولہ ہے اس لئے کہ انسان مجموعہ ہے جسم و روح کا اور جسمانی حالت کا اثر روح پر بہت کچھ پڑتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بیماری و نقص جسمانی سارے فرائض کے ادا کرنے میں کیا کچھ رکاوٹ اور مزاحمت پیدا کرتی ہے۔ ہم ہر روز اپنے چاروں طرف نظر ڈالتے اور دیکھتے ہیں کہ کتنے ادھیڑ یا جوانی سے ڈھلے ہوئے عورت و مرد ایسے مل سکتے ہیں جو پورے تندرست ہوں۔ سخت بیماری۔ مزمن امراض۔ عام کمزوری۔ قبل از وقت ضعیفی کی مثالیں ساعت بساعت اور دم بدم ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں۔ لاکھوں آدمی ہمارے ملک میں ہر سال ملیریا بخار و ہیضے سے ہلاک ہوئے چلے جاتے ہیں۔ سیکڑوں گٹھیا بخار کی وجہ سے جو بدن کو غفلت سے کھلا رکھنے کا نتیجہ ہے قلبی مرض میں مبتلا ہیں۔ کوئی کثرت مطالعہ سے عمر بھر کے لئے آنکھیں خراب کر بیٹھا ہے۔ ایک شخص جس کو برسوں بستر بیماری پر اس وجہ سے پڑے رہنا پڑا کہ اُس کو یہ معلوم نہ تھا کہ اختلاج قلب کا مرض جس میں وہ مبتلا ہے۔ دماغ سے بہت زیادہ کام لینے کا نتیجہ ہے۔ اس کا سارا سبب نوجوانوں کا حفظان صحت کے اصول و قوانین سے جہالت ہے۔ وہ خود اپنے اجسام کی بناوٹ اور اُن کے افعال سے ناواقف ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں ایک اوسط درجہ کے مدرسہ کے لڑکے سے حفظان صحت کے ابتدائی مسائل پوچھے جائیں تو وہ ان کا جواب

اُس آسانی سے نہیں دے سکتا جتنا کہ جغرافیہ کے ندی نالوں پہاڑوں کے نام اور صرف و نحو کے قواعد کے متعلق سوالات کا جواب۔ اگر ہندوستان میں حفظان صحت کی اشد ضروری تعلیم پر پوری جلد توجہ نہ برتی گئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایک تباہی و بربادی عظیم اس ملک پر ہوگی۔ چونکہ صحت و حیات انسانی پر سارے کاروبار اور انسانی خوشی کا دار و مدار ہے اور بغیر قوی صحت اور اعلےٰ درجہ کی چستی و چالاکی کے انسان کامل زندگی نہیں بسر کر سکتا پس وہ علم جو اس طرح نقصان صحت کو روکنے کی وجہ سے حفاظت و بقاے نفس میں ممد و معاون ہو اُس کی عظمت اوّل درجے کی ہے ✦

ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسے علم کے حاصل کر لینے سے اس خرابی کا پُورا پُورا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تمدن کی موجودہ صورت میں لوگوں کی ضرورتیں اُن کو اکثر اوقات خلاف ورزی پر مجبور کرتی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی مجبوری نہ ہو تو بھی لوگوں کا میلان طبیعت برخلاف اُن کے اعتقاد کے اُن کو اکثر اوقات اس بات کی طرف لے جاتا ہے کہ آیندہ سود بہبود کو موجودہ راحت و آرام پر قربان کر دیتے ہیں۔ تو بھی جس طرح کہ بچپن میں مذہبی عقائد کی تعلیم کا اثر ہمیشہ انسان پر کسی نہ کسی قدر رہتا ہے اسی طرح اگر فزیالوجی یعنی افعال اعضاے انسانی و اصول حفظان صحت کی ابتدائی تعلیم اچھے طور سے بچّوں کو ہو جاوے اور وہ مسائل ان کے ذہن نشین ہو جائیں تو اس کا بڑا اثر ہوتا ہے ✦

علم حفظان صحت کے بعد وہ ضروری علوم ہیں جن کا تعلق کسب معیشت سے ہے اور جو روزی کے حصول میں انسان کی رہنمائی و معاونت کرتے ہیں اور اس کو زندگی کے کاروبار کے لائق بناتے ہیں۔ ان علوم کی عظمت سے بمقابلہ دیگر قسم کے علوم و فنون کے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی مادی ضروریات روحانی ضروریات پر مقدم ہیں۔ پس وہ علوم بھی جو مادی ضروریات یعنی کسب معاش میں معاون ہیں مقدم ہیں۔ جب

ایک بچّہ اس مادّی دُنیا میں پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے جو اشیا اسکی توجہ کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں وہ مادّی ہوتی ہیں وہ صحیفہ فطرت کو اپنے حواس سے مشاہدہ کرتا ہے اور بتدریج مادّیات سے مجردات پر غور کرتا ہے۔ پس یہی اصول و قانون علوم کی ترتیب و طریقہ تعلیم میں قانون قدرت کے موافق ہے۔ اس لحاظ سے مادی علوم خالص عقلی علوم پر مقدم ہیں اور مادی علوم کی ترتیب میں وہ علوم بلحاظ عظمت کے مقدم ہیں جن کا تعلق فوری طور پر روزانہ زندگی کے کاروبار سے ہے ٭

ہندوستانی زبان میں پڑھنا و لکھنا و ابتدائی حساب کا اچھی طرح سے سیکھنا بنیادی تعلیم ہے۔

(۱) سب سے پہلے ہندوستانی شہری کے لئے ہندوستانی زبان میں پڑھنے لکھنے اور ابتدائی حساب میں پوری مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے ملک کی عام زبان میں آسانی و صحت کے ساتھ پڑھ لکھ سکنا اور ابتدائی حساب سے واقفیت رکھنا ہر زمانہ و ملک و قوم میں ہر قسم کی تعلیم کی بنیاد سمجھا گیا ہے اور تمام ممالک کے ماہرین فن تعلیم بالاتفاق اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس قدر بنیاد مضبوط ہوگی اسی قدر عمارت کا استحکام ہوگا۔ فی زمانہ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ ہندوستان کے بیشتر نوجوان اپنی ہی ہندوستانی زبان کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ کتنے ہیں جو اپنی ملکی زبان میں تقریر و تحریر کا عمدہ ملکہ رکھتے ہیں؟ ملک کے لئے یہ کیسا شرمناک امر ہے کہ کالجی تعلیم کے منتہی ہوں بلکہ ولایت کے پاس شدہ بھی ہوں اور دو سطریں اپنی ملکی زبان میں صحت کے ساتھ نہ لکھ سکیں! جو فرصت کو 'س' سے (فرست) اور حرفت کو 'ہ' سے (ہرفت) لکھیں! جن کی بول چال میں ہزاروں تذکیر و تانیث اور صرف و نحو کی غلطیاں ہوں!

یہ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے پرانے قسم کے مکتبوں میں تعلیم پائی ہے وہ اپنی ملکی زبان کی تقریر و تحریر میں بمقابلہ جدید مدارس

کے نوجوانوں کے بہت زیادہ بہتر ہوتے ہیں - اس کا سبب مدارس جدید میں مضامین کی کثرت ہے - بخلاف اس کے پرانے قسم کے مکتبوں میں ابتدائی تعلیم کا بیشتر حصہ پڑھنے لکھنے و اخلاقی تعلیم پر محدود ہوتا تھا - اور اب بھی پرانے قسم کے معدودے چند مکتبوں میں یہی طریقہ ہے - یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جو لوگ اپنی مادری زبان کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں وہ خارجی زبانوں کو جلد و بہتر طور پر حاصل کر سکتے ہیں - بعض ایسے نمونے ہم کو ملتے ہیں کہ جنہوں نے پرانے قسم کے مکتبوں میں اچھی بنیادی تعلیم پائی اور بعد میں انگریزی اُنہوں نے خود خانگی طور پر اپنی ذاتی کوشش سے عمدہ طور پر حاصل کی - جو لوگ خود اپنی مادری زبان کو اچھے طور سے نہیں جانتے وہ دوسری زبانوں کو بھی عموماً اچھے طور سے نہیں سیکھ سکتے - جس کی مثالیں ہمارے ملک میں بہ کثرت ملتی ہیں کہ ہزاروں نوجوان نہ تو انگریزی کو اچھی طرح جانتے ہیں اور نہ اپنی ملکی زبانوں کو ۔

زراعت صنعت و حرفت و تجارت کے لئے سائنس کی تعلیم کی ضرورت

(۲) ہندوستانی زبان میں اچھی طرح پڑھنے لکھنے اور ابتدائی حساب میں خوب مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ علوم فطرت میں جن کا جاننا کسب معاش کے لئے لازمی ہے یعنی وہ علوم جو زراعت صنعت حرفت و تجارت سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں - مزدوروں اور دفتری ملازموں کو چھوڑ کر غور کرو کہ ہندوستان کے کثیر التعداد آدمی کس کام میں مصروف ہیں - غالباً ۷۵ فیصدی کا دارمدار زراعت و فلاحت پر ہے - اور اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو صنعتی و دستکاری و تجارتی مال کے پیدا کرنے تیار کرنے اور تقسیم کرنے میں مصروف ہیں - مگر علوم سائنس طبیعی کیمیائی اور حیاتی خواص کے نہ جاننے سے صنعت و حرفت و تجارت کا حصہ ہمارے ہاتھ سے یورپ والوں نے چھین لیا ہے - ضروریات زندگی کی ادنے سے ادنے چیزوں مثلاً کپڑا - سوئی دھاگہ صابون کاغذ دیا سلائی

وغیرہ کے لئے ہم اہل یورپ کے محتاج ہو گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف ہمارے ملک کا ایک چوتھائی حصہ بیکار و فاقہ کش ہو گیا ہے بلکہ ملک کی بیشمار دولت بھی ہر سال ملک سے نکل جاتی ہے ٭

ہمارے مدارس کے نصاب میں علوم سائنس جن پر صنعتی و حرفتی و تجارتی کاروبار کا دار مدار ہے اب تک بالکل نظر انداز رہے لیکن شکر ہے کہ اب ہمارے حکام بقول شخصے بعد خرابی بصرہ خواجہ بیدار شد' بیدار ہوئے ہیں اور مدارس کے نصاب میں سائنس کی تعلیم داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ملک میں جب تک سائنس کی تعلیم عمدہ اور عام نہ ہو گی صنعتی و حرفتی و تجارتی کاروبار درستی کے ساتھ انجام نہ پا سکینگے۔ اس کے لئے دو امر نہایت اہم ہیں اوّل نصاب تعلیم میں سائنس کی عملی تعلیم کا پورے طور پر داخل کیا جانا اور ثانیاً ملک میں بہ کثرت ٹکنیکل یعنی صنعتی مدارس کا قائم ہونا ٭

ہند میں ہر قسم کی زرعی معدنی و صنعتی دولت ہے مگر ہم سائنس نہ جاننے سے اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے

ہمارا ملک ہر طرح کی زراعتی و معدنی و صنعتی اشیا کی دولت سے معمور ہے۔ ہم ہر روز اپنے اردگرد اس دولت کو دیکھتے ہیں لیکن جس طرح کہ اندھا اپنے پاؤں کے نیچے گڑے ہوئے خزانہ پر سے گزر جاتا ہے ہم اس پر سے گزر جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ان سے فائدہ کس طرح اٹھانا چاہیئے۔ بخلاف اسکے یورپی لوگ علم سائنس کی واقفیت سے اُن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ شکسپیر ملٹن۔ ٹینسن بائرن کے تو فونوگراف ہوتے ہیں لیکن اگر اُن سے سجی و شورہ و نوسادر و اُن معدنی اشیا کی بابت جن کو وہ ہر روز اپنے پاؤں کے نیچے روندتے پھرتے ہیں، پوچھا جاوے تو وہ اپنی جہالت پر نہیں شرماتے۔ زمینوں اور کھادوں کے اقسام و خواص سے بے بہرہ ہیں حالانکہ زراعت کے لئے ان چیزوں اور حیاتی خواص کا جاننا لازمی ہے۔ کوئی تیس سال قبل جاپانی لوگ بھی اسی لٹریچری یعنی ادبی تعلیم کو سائنس پر مقدم سمجھتے تھے لیکن جب انکو معلوم

ہوگیا کہ شیکسپیر و ملٹن کا علم کسب معاش میں چنداں مدد نہیں دیتا اور نہ ان سے پیٹ بھرتا ہے تو وہ ہمہ تن علوم سائنس کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے اور آج جو حیرت انگیز ترقی تمدن میں اس قوم نے کی ہے وہ ساری ایشیا کے لئے ایک سبق ہے۔ اب اُن کے نوجوانوں کو شیکسپیر و ملٹن میں وہ لطف نہیں آتا جو زراعت کے وسیع مزارعوں میں پیداوار و زمین کے اقسام پر غور کرنے۔ جنگل میں علم نباتات کی تقسیم و نشو و نما کے رازوں کے مطالعہ کرنے۔ اور مدرسوں کے اُن کمروں میں جہاں خواص کیمیائی کے تجربے ہوتے ہیں۔ لطف آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملک آج زراعتی و صنعتی کاروبار میں خوب ترقی کر رہا ہے۔ کروڑوں آدمیوں کو روٹی میسر ہوتی جاتی ہے اور زندگی کی خوشحالی و چہل پہل ان میں پیدا ہو چلی ہے۔ اور اب وہ بھرے پیٹ میں شیکسپیر و ملٹن و ٹینیسن و بائرن وغیرہ کے شاعرانہ خیالات کا زیادہ لطف اُٹھا سکتے ہیں لیکن مقدم پیٹ بھرنے کا علم سمجھتے ہیں ؎

علم زراعت اور اسکے معاون علم بیالوجی کی تعلیم کی اہمیت۔

ہمارے ملک کے حالات کے لحاظ سے زراعت سب پر مقدم ہے ۷۵ فیصدی آبادی کا مشغلہ زندگی و حیات کا دار مدار زراعت پر ہے زراعت کے اچھے یا بُرے ہونے پر ملک کی خوشحالی یا تباہی کا دار مدار ہے جس سال قحط ہوتا ہے تو اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے صنعتی و حرفتی کاروبار مدھم ہو جاتا ہے۔ تجارت مندی پڑ جاتی ہے۔ کروڑوں آدمی بے کار ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اس ملک میں ہمیشہ سے زراعت کو سب سے اہم اور اُتم مانا گیا ہے اور مشاغل زندگی کی اہمیت اور سودمندی کے لحاظ سے ایک کہاوت مشہور ہے "اُتم کھیتی مدھم بان۔ نِیچے چاکری چوتھ بھکان" یعنی سب سے اوّل اور بہتر چیز کھیتی ہے۔ اُس سے اُتر کر تجارت ہے۔ تیسرے درجے میں نوکری ہے اور چوتھے درجے میں گدائی ہے۔

باوجود اس کے کہ اس ملک میں زراعت کسب معیشت میں سب سے زیادہ اہم ہے لیکن یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ زراعت اور اُسکے مدومعاون علوم کی تعلیم کا پایہ ہمارے مدارس میں کس قدر اونے ہے۔ وہ مشغلہ جس سے ۷۵ فیصدی مخلوق اس ملک کی براہ راست خوراک حاصل کرتی اور ملک کو مستغنی کرتی ہے اوّل تو اُن کی معمولی ابتدائی تعلیم کا انتظام نہایت اونے پیمانے پر ہے حالانکہ کم ازکم اس ۷۵ فیصدی آبادی کے لئے وسیع پیمانہ پر ابتدائی اور مفید تعلیم ایک نہایت مقدم کام تھا۔ ثانیاً جو تعلیم ہوتی ہے اس میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے یعنی اس میں زراعت اور اس کا معاون بیالوجی یعنی علم الحیات کے ابتدائی اصول کی عملی طور پر تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے علم بیالوجی یعنی علم الحیات کے حقائق جاننے پر زراعت کی بنیاد ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ اس علم کے مختلف حقائق کے ذاتی تجربے ہزارہا سال میں کسانوں نے قائم کر لئے ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ مگر سائنس کی حیثیت سے وہ اُس پر غور نہیں کرتے۔ مثلاً یہ کہ " خاص کھادیں خاص پودوں کے واسطے مناسب ہیں " بعض قسم کی کھادیں زمین کو دوسری فصلوں کے ناقابل بنا دیتی ہیں " گھوڑے اونے خوراک پر عمدہ کام نہیں کر سکتے " مویشیوں اور بھیڑوں کی خاص خاص بیماریاں خاص خاص حالتوں سے پیدا ہوتی ہیں " یہ سب باتیں اور وہ علم جو پودوں اور حیوانوں کی پرورش کے متعلق کاشت کو روزمرہ حاصل ہوتا رہتا ہے علم بیالوجی کے واقعات کا ذخیرہ ہیں اور اس ذخیرۂ معلومات کی کثرت پر اس کی کامیابی کا زیادہ تر دارومدار ہے۔ جب کہ ان واقعات سے گو وہ قلیل۔ غیر معین اور ابتدائی حالت میں ہوں کاشتکار کو اس قدر ضروری مدد ملتی ہے تو اب انصاف کرو کہ جب یہ واقعات قطعی۔ معین اور مکمل ہو جائیں اُس وقت انکی قدروقیمت کیا کچھ ہوگی۔ درحقیقت ہم اب بھی اُن منافع کو دیکھ سکتے ہیں جو علم بیالوجی کی عقلی تعلیم سے روز بروز اُس کو حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ

"حرارت غریزی کا پیدا ہونا خوراک کے خرچ ہو جانے پر دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے حرارت کے نقصان کا روکنا زائد خوراک کی ضرورت کو روکتا ہے" محض قیاسی نتیجہ ہے۔ مگر یہی نتیجہ مویشی کو موٹا تازہ بنانے میں آجکل رہنمائی کرتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مویشی کو گرم رکھنے سے چارہ کی کفایت ہوتی ہے۔ اسی طرح مویشی کو مختلف قسم کی خوراک دینی مفید ہے۔ عالمانِ فزیالوجی (علم تشریح اعمال اعضائے حیوانی) کے تجربوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ نہ صرف خوراک کی تبدیلی مفید ہے بلکہ ہر ایک کھانے میں مختلف اجزا کی آمیزش سے ہاضمہ میں سہولت ہوتی ہے۔ وہ مرض جو سٹیگرز کے نام سے مشہور ہے جس سے ہزاروں بھیڑیں ہر سال مرتی ہیں۔ ایک قسم کے کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ پر دباؤ ڈالتا ہے۔ اور اگر اس جانور کو کھوپری کی اس ملائم جگہ سے جو اس کا نشیمن ہے باہر نکال دیا جائے تو بھیڑ عموماً بچ جاتی ہے۔ یہ تحقیقات زراعت پر علم بیالوجی کا ایک اور احسان ہے۔

زمانۂ حال میں صنعت وحرفت کا دار مدار سائنس کی تعلیم پر ہے

زراعت کے ساتھ ساتھ ہی صنعت وحرفت کی تعلیم ہے اور زمانہ حال میں ہر قسم کی صنعت و حرفت و دستکاری کا دار مدار سائنس پر ہے۔ ہندوستان کی دستکاریاں کیوں مٹ گئیں اور کیوں ان کو فروغ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کے صناع و دستکاران علوم سے بے بہرہ ہیں جن پر صنعت وحرفت کا دار مدار ہے۔ مثلاً میکانکس یعنی علم

(۱) میکانکس یعنی علم جرثقیل

جرثقیل کو لیجئے جس پر بہت کچھ زمانۂ حال کی صنعت کا دار مدار ہے۔ بہت کچھ آجکل کلوں ہی کی بدولت انجام دیا جاتا ہے۔ ہمارے پہننے کے کپڑے۔ سادے۔ منقش یا چھپے ہوئے کل ہی کے ذریعے سے بنتے ہیں اور

سلتے ہیں۔ جس وقت کھیتوں سے کپاس کارخانوں میں آتی ہے تو کل ہی کے ذریعے سے صاف کی جاتی۔ گٹھے باندھے جاتے۔ دھنی جاتی۔ کاتی جاتی۔ مختلف قسم کے سوت بٹے جاتے۔ پھر اُن کے طرح طرح کے باریک اور موٹے۔ منقش اور چھپے ہوئے کپڑے تیار ہوتے پھر اُن پر استری ہوتی۔ پھر وہ جہازوں وریلوں کے ذریعے سے بازار میں آتے اور کل ہی پر وہ طرح طرح کے لباسوں کی صورت میں سئے جاتے ہیں؟ ایک کتاب کو ہاتھ میں لو اور غور کرو کہ اس کے اوراق ایک کل کے ذریعے سے کاغذ کی صورت میں بنے۔ کل ہی کے ذریعے سے وہ چھپے اور ان کی جلد بندی ہوئی۔ ہم اس سب کے لئے کلوں کے ممنون احسان ہیں۔ ان اشیا کی خوبی یا نقص بہت کچھ علم جرِثقیل پر موقوف ہے۔ جو انجنیر کاٹ کڑی اور مصالح کی قوت و پائداری کا اندازہ صحیح طور پر نہیں کرتا اس کا بنایا ہوا پُل ٹوٹ جاتا ہے۔ جو صناع خراب کل سے کام لیتا ہے وہ دوسرے صناع سے جسکی کل رگڑ اور حرکت وسکون کی حالت میں کم گھِستی ہے کبھی سبقت نہیں لے جاسکتا۔ جو جہاز بنانے والا پرانے نمونے پر جہاز بناتا ہے اُس کا جہاز اُس شخص کے جہاز سے پیچھے رہ جاتا ہے جو سمندری موجوں کا لحاظ رکھکر اُس اصول کے موافق جہاز بناتا ہے جسکو علم جرِثقیل نے صحیح قرار دیا ہے۔ چونکہ ایک قوم کی قابلیت دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنی حالت کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے افراد قوم کی ہنرمندی و عملی قوت پر منحصر ہے اس لئے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ قومی قسمت کی کل جرِثقیل کی بدولت چلتی ہے۔"

(۲) کیمسٹری یعنی علم کیمیا پر قریباً ساری دستکاریوں کا دارمدار ہے

جس طرح میکانکس یعنی علم جرِثقیل جاننے پر صنعت وحرفت کا دارمدار ہے اسی طرح کیمسٹری یعنی علم کیمیا کے جاننے کی بے شمار کاموں کے لئے ضرورت ہے۔ عملی طور پر دیکھئے کہ کتنے روزمرہ کے کاموں میں کیمیا کی ضرورت پڑتی ہے۔ کپڑا رنگنے والا۔ چھاپنے والا۔ ان لوگوں

کا کام جہاں تک کیمیائی قوانین کے موافق یا ناموافق ہو اُسی قدر اچھا یا بُرا ہوتا ہے۔ تانبے۔ قلعی۔ جست۔ سیسے۔ چاندی۔ لوہے وغیرہ کے گلانے میں علم کیمیا ہی کی ہدایت درکار ہے۔ شکر صاف کرنا خواہ ہڈی کے کوئلہ یا دوسری چیزوں سے۔ گیس بنانا۔ صابون کو جوش دینا۔ بارود بنانا۔ یہ کام اور علیٰ ہذا القیاس شیشے اور چینی کے کام ایک حد تک علم کیمیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات کہ "غیر جوشیدہ بورہ کو الکحل کے درجہ تک حرارت پہنچائی جائے تو وہ اصلی حالت پر قائم رہتا ہے۔ یا تیزاب اور سرکہ بن جاتا ہے" ایک کیمیائی سوال ہے جسکے ساتھ کلال کا نفع یا نقصان وابستہ ہے۔ حقیقت میں آجکل شاید ہی کوئی کام ایسا ہو۔ جسکے کسی نہ کسی حصہ پر علم کیمیا کا تسلط نہ ہو۔ نہیں۔ بلکہ زراعت کو بھی کامیابی سے چلانے کے لئے علم کیمیا ہی کی رہنمائی درکار ہے۔ مختلف قسم کی کھاد اور مٹی کی تحلیل۔ اس امر کی تشریح کہ وہ کس قسم کی پیداوار کے واسطے مناسب ہیں۔ نوسادر تیار کرنے کے واسطے سنگ جراحت یا دیگر اشیا کا استعمال کرنا۔ حیوانات کا فضلہ۔ جو منتج صورت میں زمین سے برآمد ہوتا ہے۔ اُس کو کام میں لانا۔ مصنوعی کھادوں کا تیار کرنا۔ یہ سب کچھ علم کیمیا کی برکت ہے۔ جس سے وقفیت حاصل کرنی کسان کا فرض ہے۔ دیا سلائی بنانے میں۔ غلیظ اور گندہ پانی کی بدبو دور کرنے میں۔ عکسی تصویر اتارنے میں۔ بغیر خمیر کے ڈبل روٹی بنانے میں۔ فضلہ سے عطر نکالنے میں۔ غرض کہ تمام دستکاریوں میں علم کیمیا کا اثر ہے اور اسی وجہ سے یہ علم ہر ایک شخص کے لئے جس کو بالواسطہ یا بلاواسطہ دستکاریوں سے تعلق ہو ضروری ہے۔

ریاضی اور سائنس کا تعلق

جو ترتیب ہم نے اوپر بیان کی ہے اس میں پڑھنے لکھنے اور ابتدائی حساب کے بعد ہی سائنس کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ بالخصوص سائنس کی ان شاخوں پر جن کا تعلق کسب معاش میں ہماری روزانہ زندگی سے ہے مثلاً اس ملک میں زراعت پر دہ فیصدی

آبادی کا دار ومدار ہے اور زراعت کی بُرائی بھلائی کا دوسری صنعتوں تجارتوں پر بھی اثر پڑتا ہے لہٰذا ہم نے زراعت کی تعلیم اور بیالوجی کو مقدم کیا۔ صنعت وحرفت و دستکاری کا دار مدار کلوں وعلم کیمیا پر ہے اس لئے ہم نے میکانکس یعنی علم جرِ ثقیل وعلم کیمیا کو زراعت کے بعد تجویز کیا۔ لیکن یہ سوال ہوسکتا ہے کہ بلا ریاضی کے سائنس کی تعلیم کیونکر ہوسکتی ہے؟ یہ معقول سوال ہے کیونکہ بعض پیشوں کی تعلیم بغیر ریاضی کے خاص خاص شاخوں کے جاننے کے نہایت مشکل ہے مثلاً انجنیری کے لئے علم ریاضی کا جاننا ازبس ضروری ہے۔ اور اسی طرح منطقی نتائج کے استدلال کے لئے بھی ریاضی کا جاننا ازبس مفید ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائی حساب جس میں اعداد سے بحث ہوتی ہے گو تو ہم نے پڑھنے لکھنے کے ساتھ سب سے مقدم ٹھیرایا ہے۔ لیکن چونکہ ہماری ترتیب کا اصول مادیات سے مجردات کی طرف ہے اور زراعت وجرِ ثقیل وکیمیا مادی وعقلی دونوں حیثیت رکھتی ہیں اور کاروبار زندگی سے ان کا سب سے مقدم تعلق ہے اس لئے ہم نے ان کو مقدم ٹھیرایا۔ ریاضی محض مجرد عقلی علم ہے اور چونکہ اس کی بعض شاخوں کے جاننے کے بغیر سائنس کی تعلیم کا دیا جانا مشکل ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ سائنس کے ساتھ ساتھ ریاضی کی ضروری شاخوں کی بھی تعلیم ہو۔ مگر ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ یہ سائنس پر مقدم ہو یا محض ریاضی ریاضی ہی کی مجرد عقلی تعلیم ہو۔ ریاضی میں علم ہندسہ کا روزانہ صنعت وحرفت کے کاروبار میں بہت کام پڑتا ہے مثلاً "دیہاتی بخار جو عملی قاعدوں سے اپنا کام چلاتا ہے اُس کو بھی مثل اُس معمار کے جو کسی ندی پر بڑا پل تیار کرتا ہے تعلقات مکانی کے قوانین سے ہر گھڑی کام پڑتا ہے۔ پیمائش کرنے والا جو پیمائش کرتا ہے۔ میر عمارت جو ایک عالیشان کوٹھی کا نقشہ تجویز کرتا ہے۔ معمار جو مکان کی بُنیاد رکھتا ہے۔ راج جو پتھروں کو گھڑتا ہے۔ اور مختلف کاریگر جو کیل کانٹے یا پُرزوں کو درستی کے ساتھ اپنی جگہ پر بٹھا دیتے ہیں

ان سب لوگوں کو اپنے کاموں میں حقائق علم ہندسہ سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ریلوے بنانے کا انتظام شروع سے لے کر آخر تک علم ہندسہ کے ذریعہ سے عمل میں آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس پلین[1] اور سکشن[2] کے تیار کرنے میں۔ لین نکالنے میں۔ پشتوں اور نالیوں وغیرہ کی پیمائش میں۔ پلوں۔ نالیوں۔ دریا یا وادی کے محراب نما پلوں۔ زمیں دوز رستوں۔ اسٹیشنوں وغیرہ کے نقشے بنانے اور تعمیر کرنے میں علم ہندسہ سے کام لیا جاتا ہے۔ بندرگاہیں لنگرگاہیں۔ سمندری بند۔ فن تعمیر و انجنیری کے مختلف کام کی جو سواحل بحر پر مثل جھالر کے واقع ہیں اور ملک کے اندر جابجا پھیلے ہوئے ہیں۔ نیز سرنگیں جو زمین کے اندر ہی اندر چلی جاتی ہیں۔ ان سب کی وہی کیفیت ہے اور آج کل کسان کو بھی صحیح طور پر کھیت کی نالیاں بنانے کے واسطے ہمواری سطح کا خیال رکھنا پڑتا ہے"۔ ان سب باتوں میں علوم ہندسہ کے اصولوں سے کام پڑتا ہے۔ غرض ریاضی اور سائنس ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ گو علوم سائنس مادی و عقلی دونوں اور علم ریاضی صرف مجرد عقلی حیثیت رکھتا ہے۔

سائنس اور ریاضی کے بعد علم المعاشرت

ہم نے دیکھا کہ کسب معاش کے لئے علوم سائنس بہ ترتیب بالا کس قدر ضرور ہیں لیکن ایک علم اور ہے جس کو دست کاری کی کامیابی سے براہ راست تعلق ہے یعنی علم المعاشرت۔" جو لوگ روزمرہ اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ بازار میں روپیہ کی مانگ کس قدر ہے۔ مروجہ قیمتوں پر غور کرتے ہیں غلہ۔ روئی۔ شکر۔ اون۔ ریشم کی تخمینی پیداوار پر بحث کرتے۔ جنگ پیش آنے کے احتمالات کا موازنہ کرتے ہیں اور ان واقعات مسلمہ کی رو سے اپنے تجارتی کاروبار کا تصفیہ کرتے ہیں وہ سب علم المعاشرت کے طالب علم

[1] کسی عمارت وغیرہ کے متوازی الافق یا نیچے سطح کے نقشے کو پلین کہتے ہیں۔

[2] کسی عمارت وغیرہ کے ایسے نقشے کو جس سے اسکی اندرونی حالت معلوم ہو سکشن کہتے ہیں۔

ہیں۔ گو ممکن ہے کہ وہ محض ذاتی تجربے سے نہ کہ علمی اصول سے مطالعہ کریں۔ اور ٹھوکر کھائیں پھر بھی طالب علم ہیں۔ اگر صحیح نتیجے پر پہنچ گئے تو انعام حاصل کر لیا ورنہ ناکام رہ کر منافع سے محروم رہے۔ نہ صرف بڑے بڑے دستکاروں اور سوداگروں کو بلکہ خردہ فروشوں کو بھی ایسا کرنا چاہیئے کہ اپنے مال کی رسد اور مانگ کا اندازہ قائم کرکے جو بہت سی باتوں پر منحصر ہے اور اثر معاشرت کے چند عام اصول کو چپ چاپ تسلیم کرنے کے بعد۔ اپنے کاروبار کو چلائیں۔ انکی خوشحالی بہت کچھ اس امر پر منحصر ہے کہ وہ ایسے معاملات میں صحیح رائے قائم کریں کہ آئندہ چل کر مال کی قیمت یک مشت فروخت کرنے کی صورت میں کیا ہوگی اور مال کی نکاسی کی شرح کیا ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی جماعت کے پیچیدہ تجارتی کاروبار میں شریک ہو۔ اس کو ان قوانین کے سمجھنے سے گہرا تعلق ہے جنکے موافق اُن کاموں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

باب سوم

گزشتہ باب میں ہم نے یہ ثابت کیا کہ سب سے مقدم وہ تعلیم و تربیت ہے جو انسان کی زندگی کی روز افزوں کشمکش میں اس کی مدد و معاون ہو۔ اور ہم نے یہ دکھلایا کہ یہ بات سائنس کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر ہم نے سائنس کے ہر ایک شعبے کی اہمیت کے لحاظ سے مضامین کی تقسیم کی۔ اب اس باب میں ہم طریقہ تعلیم پر بحث کرینگے۔ اسکے متعلق مختلف ماہرین کے مختلف اصول ہیں لیکن یہ بالعموم مسلم ہے کہ تعلیم کی غرض طالبعلم کے دماغ میں ہر قسم کے واقعات کا ٹھونسنا نہیں ہے بلکہ اصلی تعلیم وہ ہے جس سے طالب علم کے حواس کو باقاعدہ کام میں لانے اُن پر غور کرنے اور اُن سے نتائج اخذ کرنے کی استعداد ہو جائے۔ دماغ کو واقعات کا گودام بنا دینا تعلیم نہیں ہے یعنی یہ کہ طالب علم کو بہت سے جغرافیہ۔ اقلیدس۔ مرچنٹ

علم نباتات کے اصول موضوع و متعارفہ و واقعات یاد کرا دئے جائیں بلکہ حواس خمسہ کو جو جس کام کیلئے ہے اس کو باقاعدہ طور پر کام میں لانے کا طریقہ سکھایا جاے اور اسی طرح قواے ذہنی و عقلی کو کام میں لانے اور ان سے باقاعدہ نتائج اخذ کرنے کے لئے تربیت کیا جاے ۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مدرسوں و کالجوں سے نکلے ہوئے سند یافتہ لوگ عملی کاروبار میں کورے نظر آتے ہیں ۔ وہ اصول و واقعات جو انہوں نے یاد کئے تھے وہ انکو آسانی کے ساتھ استعمال کرنا نہیں جانتے +

(۱) دماغی تربیت کا پہلا درجہ حواس خمسہ کی تربیت ہے ۔ یہ ۵ حواس گویا دماغ کی ۵ کھڑکیاں ہیں ۔ ہمارا بہت کچھ علم تو سُننے اور دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح دوسرے حسوں سے ۔ جب کسی شے کا علم ابتداءً ہم کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو مشاہدہ کہتے ہیں ۔ اسی مشاہدہ کی صحت یا غیر صحت پر تصورات کی درستی یا نادرستی ۔ نتائج کی صحت یا غلطی اور ہمارے کاموں کی کامیابی و ناکامیابی کا دار مدار ہوتا ہے ۔ حواس کی تربیت سے اگر غفلت کی جاے تو آیندہ کی تمام تربیت میں ایک قسم کی کاہلی تاریکی اور کوتاہی پیدا ہوجاتی ہے جس کا علاج محال ہے ۔ حقیقت میں اگر ہم اس کو سوچیں تو ہم کو معلوم ہوجائیگا کہ صحیح و کامل مشاہدہ تمام بڑی کامیابی کا جزوِ اعظم ہے ۔ نہ صرف اہل حرفہ ۔ عالمان خواص الاشیا اور عالمان سائنس ہی کے لئے مشاہدہ کی ضرورت ہے اور تشخیص امراض کی صحت کے لئے نہ صرف طبیب کا اس پر دار و مدار ہے ۔ اور نہ صرف انجنیر کے لئے وہ ایسا ضروری ہے کہ اس کے لئے چند سال کارخانہ میں کام کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے بلکہ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ فلسفی دراصل وہی شخص ہے جو ان چیزوں کے تعلقات کا مشاہدہ کرتا ہے جس کو دوسرے لوگوں نے نظر انداز کر دیا تھا ۔ اور شاعر بھی وہی شخص ہے جو کائنات میں ایسی باریک باتوں کو دیکھ لیتا ہے کہ اگر وہ باتیں بتا دی جائیں تو سب ان کو پہچان لیں ۔ مگر

پہلے سے کسی کے خیال میں نہیں آتیں - پس قوائے مشاہدہ کا نشو ونما و تربیت دینا طریقہ تعلیم میں سب سے مقدم پیش نظر رکھنا چاہئے - اگر اسباق الاشیا کی تعلیم اچھی طرح سے دی جائے تو یہ مقصود بآسانی حاصل ہو سکتا ہے +

(۲) دماغی تربیت میں اب قدیم طریقہ متروک ہوتا جاتا ہے - قدیم طریقہ یہ تھا کہ واقعات کو مجردات کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا - اب اسکی بجائے بہتر طریقہ یہ سمجھا گیا ہے کہ واقعات کو مادیات کی صورت میں پیش کیا جائے حقیقی سائنس کے ابتدائی واقعات کا علم آجکل براہ راست قدرتی ذکاوت کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے - جس طرح کہ بناوٹ - ذائقہ اور رنگوں کا علم حاصل کیا جاتا ہے - حساب کے ابتدائی سبقوں میں گولیوں کے چوکھٹے کا استعمال اس امر کی ایک مثال ہے - ماہرین تعلیم کی یہ رائے ہے کہ بجائے اسکے کہ حساب کی جدولیں حفظ کرائی جائیں بہتر یہ ہے کہ ماپ تول کے پیمانوں کو اصلی گز اور فٹ - پونڈ اور چھٹانک - گیلن اور کوارٹ کے ذریعے سے سکھایا جائے - ان پیمانوں کی تحقیقات تجربے کے ذریعے سے کرائی جائے - جغرافی نمونوں اور اجسام منتظم کے نمونوں وغیرہ کا استعمال جو علم جغرافیہ اور علم ہندسہ کی تمہید ہیں یہ بھی اسی قسم کے واقعات ہیں - ظاہر ہے کہ ان طریقوں کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے ہر ایک بچہ کا نفس ایسے مدارج کو طے کر لیتا ہے جن میں سے بالعموم نوع انسان کے نفس کو گزرنا پڑتا ہے - عدد - شکل اور تعلق مکانی کے تمام حقائق اول اول اشیا کے ذریعے سے پیدا ہوتے تھے اور ان حقائق کو بچے کے سامنے مادیات کی شکل میں پیش کرنا گویا اس طریقہ پر تعلیم دینا ہے جس طریقہ پر کہ نوع انسان نے تعلیم پائی ہے - اگر یہ حقائق بطور مجردات کے بچے کو رٹا دئے جائیں تو اس کے نزدیک ان مجردات کے کچھ معنے نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ اسکو معلوم نہ ہو جائے کہ وہ واقعات صرف ان چیزوں کے بیانات ہیں

جن کو وہ بداہتہً دیکھتا ہے ٭

(۴) طریقۂ تعلیم میں اس امر کا لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ تحصیل علم طالب علم کے لئے مسرت کا باعث ہو نہ کہ اُس سے اُس کو ایک بار اور تکلیف وکلفت ہو۔ یہ راز اس امر کے صاف صاف سمجھ لینے پر مبنی ہے کہ ہر ایک زمانہ میں وہی عقلی عمل بچہ کے واسطے مُفید ہوتا ہے جسکو وہ پسند کرتا ہے اور برعکس اس کے جو عمل اُس کو ناپسند ہوتا ہے وہ مَضر پڑتا ہے۔ یہ رائے عام طور پر پھیلتی جاتی ہے کہ کسی قسم کی معلومات کی اشتہا کا بڑھ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ بچّے کا کھلنے والا دل اس غذا کو جزوِ بدن کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور نشو ونما کی غرض سے اس کی ضرورت ہے اور برعکس اس کے ایسی معلومات سے نفرت پیدا ہونی اس بات کی علامت ہے کہ وہ غذا یا تو قبل از وقت دی گئی ہے یا ایسے طریقے سے دی گئی ہے کہ ہضم نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تعلیم اور تمام تعلیم کو موجب تفریح اور دلکش بنانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کھیل کود کی قدر وقیمت پر لکچر دئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دایہ خانہ کی تنگ بندیوں اور پریوں کی کہانیوں کی تائید کی جاتی ہے۔ ہم روز بروز اپنی تدبیروں کو زیادہ تر بچوں کی رائے کے مطابق بناتے جاتے ہیں۔ ہم برابر یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ بچہ فلاں قسم کی تعلیم کو پسند کرتا ہے یا نہیں؟ اسکی طرف توجہ کرتا ہے یا نہیں؟ ماہرین فن تعلیم کی یہ رائے ہے کہ یہ جو بچوں میں قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ وہ طرح طرح کی مختلف چیزوں کو پسند کرتے ہیں اسکی رعایت کرنی چاہیئے اور اُن کے شوق تجسس کی تکمیل کو اُن کی ترقی کے ساتھ شامل کر دینا چاہیئے۔ ونیز بچہ پر تکان کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے ہی سبقوں کو بند کر دینا چاہیئے۔ اور آیندہ تعلیم بھی اسی طرح ہونا چاہیئے۔ مدرسوں کے گھنٹوں میں تھوڑا تھوڑا وقفہ

دینا۔ سیر و تفریح کرانا۔ دلچسپ لکچر سنوانا۔ آواز ملا کر گانا نہایت مُفید ہے۔ جبر سے پڑھانا۔ یا طوطے کی طرح رٹانا نہایت مضر طریقے ہیں ۔

(۴) دماغی تربیت میں عقلی ارتقا کے اصول کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔
تمام موجودات میں قانون ارتقا کا عمل جاری ہے جس طرح جسم کی ترقی بتدریج ہوتی ہے اُسی طرح نفس کی ترقی بھی۔ نباتاتی دُنیا ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔ اسی طرح حیوانی دُنیا میں اسی قانون کا عملدرآمد ہم پاتے ہیں۔ پس سب سے پہلے یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ آسان باتوں سے مشکل باتوں کی طرف توجہ مائل کرائی جاوے۔ مفرد سے مرکب کی طرف۔ ابتدائی تعلیم میں ایک ہی دو مضمونوں کی تعلیم ایک ساتھ شروع ہونی چاہیئے۔ اور بتدریج ان مضامین کی تعداد میں اضافہ کرکے آخر کار تمام مضامین کی تعلیم کو ساتھ ساتھ جاری رکھنا چاہیئے۔ نہ صرف جزئیات میں بلکہ مجموعی حیثیت سے بھی آسان سے مشکل کی طرف جانا چاہیئے ۔

(۵) تعلیم کی ہر شاخ میں عملی علم سے عقلی علم تک پہنچنا چاہیئے انسانی ترقی کے دوران میں ہر ایک علم (سائنس) اپنے اپنے فن (آرٹ) سے نکلا ہے۔ شخصی حیثیت سے اور نیز بہ حیثیت قوم ہم کو اس امر کی ضرورت درپیش ہے کہ مادیات کے ذریعے سے مجردات تک رسائی حاصل کریں۔ اسی ضرورت کا نتیجہ ہے کہ سائنس کے وجود سے پہلے مشق اور تجربہ جو مشق سے حاصل ہوتا ہے اور مشق کے عملی نتائج کا وجود ضروری ہے۔ سائنس منضبط علم ہے اور علم کے منضبط ہونے سے پہلے ضرور ہے کہ اُس کا کسی قدر حصّہ ہمارے قبضے میں ہو۔ پس ہر ایک مطالعہ کی تمہید خالص تجربہ سے ہونی چاہیئے اور جب مشاہدات کا وافر سرمایہ جمع ہو جاوے اسکے بعد دلیل کو شروع کرنا چاہیئے۔ اس قاعدہ کی توضیح میں ہم بطور تمثیل کے جدید نصاب تعلیم کو پیش کر سکتے ہیں جس میں صرف و نحو کی تعلیم کو زبان سے پہلے نہیں بلکہ بعد میں رکھا گیا ہے یا اُس معمولی دستور کو پیش کر سکتے ہیں

کہ فن مصوری میں قرب و بعد کے لحاظ سے اشیا کی چھوٹائی و بڑائی کا خیال رکھنے سے پہلے عملی مصوری کی تعلیم دی جاتی ہے +

(۶) طلبا کو اس بات کی ترغیب دینی چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے علم کو آپ ترقی دیں - یعنی خود تحقیقات کریں اور اپنے آپ نتائج نکالیں - یاد رکھنا چاہیئے کہ نوع انسان نے اپنے نفس کو آپ ہی تعلیم دینے سے ترقی کی ہے - اور ان لوگوں کی نمایاں کامیابی سے جو اپنی ہی کوشش سے بن گئے ہیں یہ بات برابر ثابت ہو رہی ہے کہ بہترین نتائج حاصل کرنے کی غرض سے ہر ایک نفس کے واسطے ضروری امر ہے کہ کسی قدر اُسی روش پر ترقی کرے - یہ ایک بدیہی بات ہے کہ گرد و پیش کی اشیا کا نہایت ضروری علم بچہ خود ابتدائی عمر میں بغیر مدد حاصل کرتا ہے - وہ اپنی مادری زبان کا استعمال خود ہی سیکھتا ہے - پس جن باتوں سے بچہ کو دلچسپی ہے اور وہ بذات خود مستعدی سے ان کو سمجھ سکتا ہے ہم اس میں اس کی مدد کریں - ہم تہدید اور تنبیہ اور سزا کے زور سے اُس کے دل میں وہ باتیں نہ ٹھونسیں جن کو وہ ابھی ہضم نہیں کر سکتا اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو بالعموم علم ہی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے - تعلیم میں قدرت کی تربیت کی پیروی کرنا چاہیئے یعنی نفس ناطقہ جس طرح ابتدائی مدارج میں بطور خود نشو و نما حاصل کر سکتا ہے اسی طرح مدارج مابعد میں بھی - اگر سلیقہ سے انتظام کیا جائے - بطور خود نشو و نما حاصل کر سکتا ہے - اس طریقہ سے نفس ناطقہ میں نہایت اعلےٰ درجہ کی قوت اور چستی و چالاکی پیدا ہو سکتی ہے - ظاہر ہے کہ کوئی سا علم جو طالب علم نے بطور خود حاصل کیا ہو مثلاً کوئی سوال جو اُس نے آپ حل کیا ہو بہ نسبت کسی دوسرے طریقہ کے زیادہ کامل طور پر اُس کے قابو میں آجاتا ہے کیونکہ اس نے اپنی قوت سے اس پر فتح حاصل کی ہے نفس کی ابتدائی مستعدی جس پر اُس کی کامیابی دلالت کرتی ہے - خیالات کا ایک طرف جانا جو اُس کے لئے ضروری ہے اور وہ جوش جو فتحمندی کا

نتیجہ ہے یہ سب چیزیں مل کر واقعات کو اُس کے حافظہ کی کتاب میں اس طرح درج کر دیتی ہیں کہ جو معلومات صرف معلّم سے سُن کر یا مدرسہ کی کتابوں میں پڑھکر حاصل ہوتی ہے وہ ایسی محفوظ نہیں رہ سکتی - اس فائدہ کے علاوہ ہمیشہ اپنی مدد آپ کرنے سے جو اخلاقی تربیت حاصل ہوتی ہے اس پر بھی غور کرو دلیری سے مشکلات پر حملہ کرنا - توجہ کو صبر کے ساتھ ایک طرف لگانا - ناکامیوں میں استقلال رکھنا یہ ایسی خصوصیتیں ہیں جو آیندہ زندگی میں خاص کر مطلوب ہیں

ان چند ابتدائی اصولوں کے بیان کرنے کے بعد جن کا طریقہ تعلیم میں لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ تعلیم کا سلسلہ گہوارہ سے شروع ہوکر تادمِ واپسیں قائم رہتا ہے - گہوارہ سے حالت شیرخواری میں جو تعلیم شروع ہوتی ہے وہ بمنزلہ بنیاد کے ہے - یہ جس قدر عمدہ ہوگی اُسی قدر حالتِ بلوغ یعنی طفولیت میں اس کا فائدہ ظاہر ہوگا - اسی طرح حالت طفولیت کی تعلیم پر جوانی میں جو تعلیم انسان حاصل کرتا ہے اس کی کامیابی منحصر ہے - فطرت نے جو قویٰ بچے میں رکھے ہیں ان کا عمل گہوارہ ہی سے شروع ہوجاتا ہے خواہ ہم اس کو سکھائیں یا نہیں - بچہ ہر چیز کو جو اُس کے ہاتھ آجاتی ہے ٹٹولتا - چھوتا اور چوستا ہے - ہر ایک آواز کو مُنہ کھول کر سُنتا ہے - یہ اس سلسلہ کے ابتدائی درجے ہیں جو بن دیکھے سیاروں کی تحقیقات حسابی کلوں کی ایجاد - بڑے بڑے مصوری کے کاموں یا نغمات خوش آہنگ اور موسیقی ناٹکوں کی تصنیف پر جا کر منتہی ہوتا ہے - پس یہ نہایت ضروری ہے کہ بچوں کے لئے مختلف قسم کے مواد کی ایک واجبی مقدار بہم پہنچانی چاہیے جن پر وہ اپنی قوتوں کی مشق کرسکیں - اس کے بعد ہجوں کی کتاب میں زبان کی تمام آوازیں شامل ہونی چاہئیں اور ہر ایک خاندان میں بچوں کو شیرخواری ہی کے زمانہ سے ان آوازوں کی تعلیم دینی چاہیے جو بچہ اپنی ہجوں کی کتاب یاد کرلے اُس کو چاہیے کہ گہوارہ کے شیرخوار بچہ کے سامنے اُن کو دُہرائے - قبل اس کے کہ وہ اُن میں سے کسی ایک آواز کا

تلفظ ادا کر سکے تاکہ بار بار دہرانے سے اُس کے دل پر آوازوں کا گہرا نقش جم جائے ÷

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ بچوں کی تعلیم میں آسان باتوں سے بتدریج مشکل باتوں کی طرف جانا چاہیئے۔ از روے سائیکالوجی (علم النفس النفوے) یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ نہایت ہی ابتدائی عمر میں جن خیالات سے نفس متاثر ہو سکتا ہے وہ ناقابل تحلیل (مفرد) احساسات ہیں جو مزاحمت۔ روشنی۔ آواز وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں شعور کی وہ حالتیں جو قابل تحلیل (مرکب) ہیں ان کا وجود شعور کی ان مفرد حالتوں سے مقدم نہیں ہو سکتا جن سے وہ مرکب ہیں۔ جب تک روشنی کے مختلف درجوں اور صفتوں سے یا مزاحمت کی مختلف قسم کی سختیوں سے کسی قدر واقفیت حاصل نہ ہو جائے۔ اس وقت تک شکل کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم مرئی شکل کو طرح طرح کی روشنی کے ذریعے سے اور شکل ممکن اللمس کو طرح طرح کی مزاحمت کے ذریعے سے شناخت کرتے ہیں اور یہ مسئلہ مدت سے لوگوں کو معلوم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کوئی مرکب آواز اُس وقت تک محسوس نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُن مفرد آوازوں کو نہ سیکھ لیں جن سے وہ آواز مرکب ہے۔ اور باقی تمام صورتوں میں بھی ضرور یہی کیفیت ہوگی۔ پس ترقی کے اس لازمی قانون کی پیروی کر کے کہ ترقی سادہ صورت سے شروع ہو کر پیچیدہ صورت تک پہنچتی ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ شیر خوار بچوں کے لئے ایسی چیزوں کا کافی ذخیرہ بہم پہنچا دیں جن میں مختلف درجے اور مختلف قسم کی مزاحمت پائی جاتی ہے اور ایسی چیزوں کا کافی ذخیرہ جن سے ایسی روشنی منعکس ہو جو اپنی مقدار اور صفات کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہو اور ایسی آوازوں کا کافی ذخیرہ جو اپنی بلندی اپنے اپنے اُتار چڑھاؤ اور اپنے لہجہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو بچپن کے اس ابتدائی زمانہ کو جس میں کوئی دوسرا عقلی عمل ممکن نہیں ہے صرف اسی کام میں مصروف رکھنا چاہیئے

کہ بچوں کو ان اصول اور ان اصول کی مختلف صورتوں سے پوری واقفیت حاصل ہو جائے۔ اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ جن خیالات کو ہر ایک بچہ بڑے شوق سے ذہن نشین کرتا ہے اگر ان خیالات کو باقاعدہ طور پر مہیا کر دیا جائے تو اس سے بچہ کو ہمیشہ ایسا حظ حاصل ہوتا ہے جس سے اس کے مزاج اور صحت دونوں کو ترقی ہوتی ہے۔ اگر یہاں کچھ گنجائش ہوتی تو بعض ایسی تجویزوں کا درج کرنا مناسب ہوتا جس میں یہ بات بتائی جاتی کہ ان سیدھے سادھے ادراکات کا زیادہ باقاعدہ بندوبست کیونکر ہو سکتا ہے مگر صرف اسی بات کا بتا دینا کافی ہے کہ جس انتظام میں اس عام قانون ارتقا کو تسلیم کیا گیا ہو کہ مبہم اور غیر معین چیزوں سے ترقی کر کے قطعی اور معین چیزوں تک پہنچتے ہیں۔ اس انتظام کی بنیاد اس نتیجہ پر رکھنی چاہئے کہ ہر ایک قوت کے نشوونما میں اول اول ان ہی خیالات میں تمیز کرنی چاہئے جن میں صاف نمایاں فرق نظر آتا ہو۔ اور اسی وجہ سے جو آوازیں بلندی اور اتار چڑھاؤ میں بہت مختلف ہوں جو رنگ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوں اور جو چیزیں سختی یا ساخت میں نہایت بامشابہ ہوں ان کو سب سے پہلے مہیا کرنا چاہئے اور جو خیالات باہمدگر زیادہ قریبی تعلق رکھتے ہوں ان خیالات تک ہر حالت میں آہستہ آہستہ بتدریج پہنچنا چاہئے۔

زمانہ شیرخواری کے بعد اسباق الاشیا کی تعلیم شروع کرنا چاہئے ظاہر ہے کہ یہ سبق جو اس کی اس ابتدائی تربیت کا قدرتی سلسلہ ہیں۔ ان اسباق الاشیا کی مختلف کتابوں میں محض واقعات کی فہرستیں ہوتی ہیں اور جو شے بچے کے سامنے رکھی جاتی ہے اس کی بابت وہ واقعات اس کو بتا دئے جاتے ہیں۔ اب اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ قوت گویائی کے حاصل ہونے سے پہلے چیزوں کی بابت جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ ازخود حاصل ہوتا ہے۔ ہم کو شیرخوار بچہ کی روزانہ زندگی پر صرف ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے مثلاً سختی اور وزن کی صفتیں جو خاص خاص

صورتوں سے تعلق رکھتی ہیں خاص شخصوں کا خاص شکلیں اور خاص رنگ رکھنا۔ خاص صورتوں کے جانوروں کا خاص قسم کی آوازیں نکالنا یہ ایسے مظاہر قدرت ہیں جن کا مشاہدہ بچّہ خود بخود کرتا ہے۔ بڑی عمر میں بھی جبکہ معلم پاس نہیں ہوتے یہ بات ضرور ہے کہ جو مشاہدے اور نتیجے ہر گھڑی ہدایت کے واسطے درکار ہیں۔ ان کو بغیر کسی مدد کے حاصل کیا جاے اور جس قدر صحت اور تکمیل کے ساتھ ان کو حاصل کیا جاے اسی قدر زندگی کی کامیابی کا اُن پر دار و مدار ہے۔ پھر اشیا کا نیا سلسلہ رفتہ رفتہ مہیا کرکے بتاتے رہنا چاہیئے۔ ایک سمجھ دار ماں اس طریقہ کی رو سے اپنے سبقوں کا انتظام کس طرح کرتی ہے وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو سہل تر اوصاف سختی نرمی رنگ ذائقہ ڈیل ڈول سے بتدریج واقفیت پیدا کرتی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ اس کام میں بچّہ شوق سے اُسکو مدد دیتا ہے۔ ایک چیز لاکر اس کو بتاتا ہے کہ یہ چیز لال ہے اور دوسری چیز لاکر کہتا ہے کہ اس کو چھو کر دیکھو یہ سخت ہے۔ جوں ہی کہ وہ ان خاصیتوں کے لئے اُسکو الفاظ بتا دیتی ہے۔ جب بچہ کوئی نئی چیز اُس کے پاس لاتا ہے اور وہ اُس نئی چیز میں کسی نئی خاصیت پر اُس کو توجہ دلاتی ہے تو وہ اس بات کی احتیاط رکھتی ہے کہ اُس نئی خاصیت کو ان چیزوں کے تعلق سے بیان کرے جن کو بچہ پہلے سے جانتا ہو تاکہ وہ نقل کرنے کے قدرتی میلان کی وجہ سے یکے بعد دیگرے اُن کو دُہرانے کا عادی ہو جاے۔ جب رفتہ رفتہ ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ جن خاصیتوں سے بچّہ واقف ہو گیا ہے اُن میں سے ایک یا زیادہ خاصیتوں کا نام لینا بھول جاتا ہے تو وہ یہ کام کرتی ہے کہ بچہ سے پوچھتی ہے "یہ چیز جو تمہارے پاس ہے اس میں کوئی اور خاصیت تو نہیں ہے جس کو تم بتا سکتے ہو؟" غالباً بچہ اس سوال کو نہیں سمجھ سکیگا۔ تھوڑی دیر تک اس کو ششدر و حیران رکھنے کے بعد خود بتا دیتی ہے اور شاید اُسکی ناکامیابی پر ذرا

اُس کی ہنسی بھی اُڑاتی ہے چند مرتبہ اس طرح اعادہ کرنے سے بچّہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا کرنا چاہیئے - جب دوبارہ ماں بچّہ سے کہتی ہے کہ اس چیز کی بابت جو کچھ تم نے بیان کیا ہے میں اُس سے کسی قدر زیادہ جانتی ہوں تو بچّہ کا غرور جوش میں آتا ہے - وہ غور سے اُس شے کو دیکھتا ہے اور اُن تمام باتوں پر غور کرتا ہے جو اُس نے سُنی ہیں اور چونکہ یہ سوال آسان ہوتا ہے فوراً اُس کو حل کر لیتا ہے - وہ اپنی کامیابی پر خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا اور ماں اس کے ساتھ ہمدردی کرتی ہے - وہ اپنی قوتوں کو معلوم کر کے خوش ہوتا ہے اور ہر ایک بچّہ ایسا ہی کرتا ہے - وہ اور زیادہ فتوحات کی خواہش کرتا ہے اور بھی زیادہ چیزوں کی جستجو کرتا ہے تاکہ اُن کا حال بھی ماں سے کہہ دے - جوں جوں اس کی قوتیں نشو ونما پاتی ہیں وہ اُس کی فہرست میں یکے بعد دیگرے نئی صفتوں کا اضافہ کرتی جاتی ہے - سختی اور نرمی سے کھُردرے پن اور ہمواری تک - رنگ سے جلا تک - اجسام مفردہ سے اجسام مرکبہ تک بہ تدریج آگے بڑھتی ہے - سوال کو ہمیشہ مشکل کرتی رہتی ہے - اُس کی توجہ اور حافظہ پر ہمیشہ زیادہ زور ڈالتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے دل کو خوش کرتی رہتی ہے - ظاہر ہے کہ وہ اس کام میں محض اس قدرتی عمل کی پیروی کرتی ہے جو اب سے پہلے بچپن کے زمانہ میں جاری تھا - یا یوں کہو کہ صرف اس بات میں مدد دیتی ہے کہ لڑکا خود بخود ترقی کرے اور جس ڈھنگ پر بچّہ فطرۃً ماں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اُسی ڈھنگ پر اُس کو مدد دیتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے بچّے میں چستی و چالاکی و جرأت اور اپنی مدد آپ کرنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جس پر زندگی کی بہت کچھ کامیابی منحصر ہے ؛

اپنی شہرۂ آفاق کتاب "فلسفۂ تعلیم" میں ہربرٹ اسپنسر کیمیا کے کرشموں کی بابت یوں رقمطراز ہے :-

کپڑے دھونے والا۔ رنگنے والا اور چھاپنے والا۔ ان لوگوں کا کام جہاں تک کیمیائی قوانین کے موافق یا ناموافق ہوتا ہے اسی قدر اچھا یا بُرا ہوتا ہے + تانبے۔ قلعی جست۔ سیسے چاندی۔ لوہے وغیرہ کے گلانے میں علم کیمیا ہی کی ہدایت درکار ہے۔ شکر صاف کرنا۔ گیس بنانا۔ صابون کو جوش دینا۔ بارود بنانا یہ سب کام اور علیٰ ہٰذا القیاس شیشے اور چینی کے کام۔ ایک حد تک علم کیمیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات کہ غیر جوشیدہ بوزہ کو الکحل کے درجہ تک حرارت پہنچائی جاوے۔ تو وہ اپنی حالت پر قائم رہتا ہے۔ یا تیزاب اور سرکہ بن جاتا ہے۔ ایک کیمیائی سوال ہے۔ جس کے ساتھ کلال کا نفع یا نقصان وابستہ ہے۔ اور اگر بوزہ کش کا کاروبار وسیع ہو۔ تو وہ اپنے کارخانہ میں ایک کیمیاگر نوکر رکھ سکتا ہے۔ حقیقت میں آج کل شاید ہی کوئی کام ایسا ہو جسکے کسی نہ کسی حصہ پر علم کیمیا کا تسلط نہ ہو۔ نہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں زراعت کو بھی کامیابی سے چلانے کے لئے علم کیمیا ہی کی رہنمائی درکار ہے + مختلف قسم کی کھاد اور مٹی کی تحلیل۔ اس امر کی تشریح کہ وہ کس قسم کی پیداوار کے واسطے مناسب ہیں۔ نوشادر تیار کرنے کے واسطے سنگ جراحت یا دیگر اشیا کا استعمال کرنا۔ حیوانات کا فضلہ جو متحجر صورت میں زمین سے برآمد ہوتا ہے اُس کو کام میں لانا۔ مصنوعی کھادوں کا تیار کرنا۔ یہ سب کچھ علم کیمیا کی برکت ہے۔ جس سے واقفیت حاصل کرنا کسان کا فرض ہے۔ دیا سلائی بنانے میں غلیظ اور گندہ پانی کی بدبو دُور کرنے میں۔ عکسی تصویر اُتارنے میں۔ بغیر خمیر کے ڈبل روٹی بنانے میں۔ فضلہ سے عطر نکالنے میں۔ غرض ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دستکاریوں میں علم کیمیا کا اثر ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ علم ہر ایک شخص کے لئے جس کو بالواسطہ یا بلاواسطہ دستکاریوں سے تعلق ہو۔ ضروری ہے؎ +

علم کیمیا کے عملی فوائد

؎ "ایجوکیشن" صفحہ ۲۴-۲۵ (مترجم)

علوم تجربیہ کی فہرست میں جتنا چاہو۔ اضافہ کرلو۔ مگر ہمارے موجودہ مقصد کے لئے یہ دونوں کافی ہیں + ان کا علم نہایت ضروری ہے اور اس سے انسان کو بے حد نفع حاصل ہوسکتا ہے۔ شاید یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس ڈھنگ کی تعلیم سے تربیت کا اصل مقصد فوت ہوجائیگا۔ اور اسکی اصل غایت محض روٹی کمانا ٹھیرتی ہے۔ اور عقلی تعلیم کا لب لباب یہ ٹھیرتا ہے۔ کہ بہت سے علمی واقعات کو ذہن میں بھر لیا جاوے اور ان کی مدد سے کوئی مفید کل ایجاد کی جاوے۔ جس سے روزمرہ کے کاروبار اور آرام و آسائش میں معتدبہ اضافہ ہو + مگر ہربرٹ اسپنسر اس مسئلہ کو اسی جگہ ختم نہیں کردیتا کیونکہ وہ آگے جاکر تفصیلی بحث کرتا ہے۔ کہ علوم تجربیہ کی تحصیل سے کائنات۔ ادبیات۔ اور فنون لطیفہ سے ہمیں کس قدر فائدہ پہنچتا ہے۔ اور یہ کہ ہماری خوشیوں اور راحتوں کی بنیاد انہی پر قائم ہے اور وہ اس مسئلہ پر ایسے لطافت کلام اور حسن بیان سے بحث کرتا ہے۔ جو اس کی اور فلسفی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا ہے + وہ کہتا ہے یہ سراسر غلط ہے کہ سائنس کے مطالعہ سے فطرت انسانی کے تمام جذبات اور لطیف اُمنگیں برباد ہوجاتی ہیں۔

کیااس سے تعلیم کا مقصود فوت ہوسکتا ہے؟

"کیا یہ بات بیہودہ اور قریب قریب ناپاک اعتقاد نہیں ہے کہ جس قدر زیادہ کوئی شخص قدرت کا مطالعہ کریگا۔ اسی قدر کم اسکی توقیر کریگا؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ پانی کا قطرہ۔ جو عام لوگوں کی نظروں میں صرف پانی کا قطرہ ہے۔ طبیعیات کے عالم کی نگاہ میں اس کی وقعت کچھ کم ہوجائیگی۔ جو اس بات کو جانتا ہے کہ اس قطرہ کے عنصر ایک قوت کے ذریعہ سے وابستہ ہیں۔ اور اگر وہ قوت یکایک زائل ہوجاوے۔ تو اس سے بجلی کی چمک پیدا ہوگی؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ جس شے کو ایک ناتربیت یافتہ آدمی بے پروائی سے برف کا گالا سمجھتا ہے۔ اگر اسکے عجیب و غریب گوناگون

پاکیزہ برفانی۔ شفاف و بلور نما اوراق کو کوئی شخص خرد بین کے ذریعہ سے دیکھے۔ تو اس کے دل میں اعلےٰ درجہ کے خیالات کا تسلسل پیدا نہ ہوگا؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک گول چٹان کا پتھر جس پر متوازی خطوط کے نشانات کھُدے ہوئے ہیں۔ جاہل آدمی کے دل میں اسی قدر شاعرانہ خیالات پیدا کرتا ہے۔ جس قدر کہ ایک عالم ارضیات کے دل میں۔ جو اس بات کو جانتا ہے۔ کہ دس لاکھ برس پہلے ایک برف کا ٹیلا اس چٹان پر بہتا ہوا گزرا تھا؟ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ کبھی سائنس کے مشاغل میں مصروف نہیں رہے۔ وہ شاعری کے بہت بڑے حصے سے جو ان کے گرد و پیش موجود ہے۔ بالکل محروم اور اندھے ہیں جس شخص نے جوانی کے زمانہ میں پودوں اور کیڑوں کو جمع نہ کیا ہو۔ وہ اس دلچسپی کی آدھی قدر بھی نہیں جانتا جو گلی کوچوں اور خاردار جھاڑی کی قطاروں سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جس آدمی نے معدنی اشیاء متحجرہ کی کبھی تلاش نہ کی ہو۔ اس کو ان شاعرانہ خیالات کا تصور بہت کم ہوسکتا ہے۔ جو اُن مقامات میں پیدا ہوتے ہیں جہاں یہ خزانے زمین کے اندر پائے جاتے ہیں + جس شخص نے سمندر کے کنارے پر خرد بین کے ذریعے سے آبی جانوروں کے حوض کا معائنہ نہ کیا ہو۔ ابھی اسے یہ بات سیکھنا ہے۔ کہ سمندر کے کنارے پر سب سے اعلےٰ درجہ کی پُرلطف چیزیں کون سی ہیں + حقیقت میں اس امر کا دیکھنا افسوسناک ہے کہ لوگ خفیف باتوں میں اپنے تئیں مصروف رکھتے ہیں۔ اور نہایت عظیم الشان مظاہر قدرت کی طرف سے غافل اور لاپرواہ ہیں۔ گنبد افلاک کی عمارت کو سمجھنے کی پروا نہیں کرتے۔ مگر میری ملکہ اسکاٹ لینڈ کی سازشوں کی بابت ذلیل بحث مباحثہ میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ یونانی غزل پر عالمانہ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور اس عظیم الشان رزمیہ مثنوی کو جو خدائے تعالےٰ نے اپنے دست قدرت سے طبقات الارض پر لکھی ہے۔ نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے اور اس کے پاس سے کترا کر نکل جاتے ہیں۔

اس واسطے طالب علم کو یہ کوشش کرنا چاہیئے۔ کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں اور مصروفیتوں سے معقول واقفیت پیدا کرلے۔ جس سے دنیا میں اس کی زیست ذی عقل ہستیوں کی طرح بسر ہو۔ اور اسکی گوناگوں خوشیوں سے پورا لطف حاصل کرے۔ اسے طبیعیات اتنا جاننا چاہیئے کہ قدرت کی بڑی بڑی قوتوں اور ان کے عملوں کو سمجھ سکے۔ اور کیمیا سے اتنی واقفیت ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی بدولت تحقیق کرکے نئی بات معلوم کرے۔ اور ہیئیات کے مقابلہ میں علوم تجربیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس سے تزکیہ نفس اور عقلی رفعت کو اس قدر فائدہ پہنچ سکے۔ یعنی اجرام سماوی کے علم کی تحصیل بہت مفید ہے۔ اس میں ہر آدمی کو تھوڑی بہت مہارت پیدا کرلینا چاہیئے۔

ریاضیات کی ضرورت

شاید کوئی پوچھے۔ "ریاضیات کے مطالعہ کے بغیر سائنس کا مطالعہ ہوسکتا ہے؟" گو پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اور ان علوم کا ذکر آچکا ہے۔ جو نصاب تعلیم میں داخل ہونے چاہئیں۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ اسی ترتیب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور کسی علم کو اس میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ مطالعہ کے لئے علوم کے زمرے بنائے جائیں۔ ایک زمرہ میں دو یا زیادہ علوم داخل کئے جاسکتے ہیں۔ اس واسطے مذکورہ بالا سوال کا جواب یہ ہے کہ سائنس کے ساتھ ریاضیات کا مطالعہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اسکولوں اور کالجوں میں جتنے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ ان میں ریاضیات کی پڑھائی کا نسبتاً خاطرخواہ انتظام ہے۔ اور یہ بڑی خوش قسمتی ہے۔ کوئی طالب علم ریاضیات کے مطالعہ کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اس کے کئی وجوہ ہیں۔ بعض فنون ایسے ہیں جن پر بغیر ریاضیات کے عبور اور کامیابی حاصل کرنا محال ہے۔ مثلاً انجنیری اور پیمائش ریاضیات کے بغیر سیکھنا ناممکن ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ سب آدمیوں کو معقولیت

اور خوبی سے بات اور استدلال کرنا امر ضروری ہے۔ ریاضیات کے مطالعہ سے انسان کے اندر دلیل کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے منطقی بحثوں میں اس سے صحت اور درستگی کے ساتھ بحث کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ صحت جسمانی اور قوت طبعی کے واسطے ورزش اور جمناسٹک ضروری اور مفید ہے۔ اسی طرح عقل کی چستی اور طاقت کے واسطے بھی ورزش درکار ہے۔ اور یہ ریاضیات کے مطالعہ سے بہم پہنچتی ہے۔

علم ہندسہ کی بابت جان لاک کی رائے

جان لاک[1] نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "کنڈکٹ آف انڈرسٹینڈنگ (تربیت عقلیہ) میں الجبرا اور اقلیدس کے مطالعہ کے لئے ایک بہت زبردست وجہ بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔ "ریاضیات کا مطالعہ یہ امر واضح کرتا ہے کہ استدلال کے وقت تمام مختلف خیالات کو ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ رکھنا چاہیئے۔ اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون زیر بحث سے دیگر خیالات اور واقعات کا کیا تعلق ہے غیر متعلق امور سے اغماض اور متعلق سے سروکار رکھنے کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ لاک کا طرز ادا صاف اور واضح نہیں ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاضیات کے مطالعہ سے ذہن ایسا مستعد اور چست ہو جاتا ہے کہ تمام پریشانیوں اور دشواریوں کو زیر کرتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ اور صاف و صحیح نتائج اخذ کر لیتا ہے۔ اور متضاد و مختلف خیالات کے جم غفیر کو چیرتا ہوا امر تنقیح طلب کو اخذ کر لیتا ہے۔ غیر متعلقات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔

علم المعاشرت کے مطالعہ کی اہمیت

دوسرا مضمون قابل غور علم المعاشرت ہے۔ جسے پولیٹکل سائنس (علم تمدن) کے ساتھ ملحق کیا جا سکتا ہے۔ اسکے

---

[1] جان لاک ایک انگریز فلاسفر جو ۱۶۳۲ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۷۰۴ء میں انتقال کیا۔ اس نے ایک کتاب "عقل انسانی" کے مسئلہ پر لکھ کر غیر فانی شہرت حاصل کی۔ جس میں اس نے انسان کی عقلی قوتوں پر بحث کی۔ اور بتایا کہ کون سے مسائل اسکے احاطۂ بساط میں ہیں اور کون سے بعید۔ مترجم

عملی اور اصولی دو پہلو ہیں - بعض حضرات شاید اس ترتیب اور ترکیب کو نامعقول پسند کریںگے اور اعتراض کرینگے کہ سائنس اور ریاضیات کے بعد علم المعاشرت کو مطالعہ میں داخل کرنے کے کیا معنی؟ یہ نامعقولیت صرف ظاہری ہے حقیقی نہیں + جس قاعدہ کی بنا پر مطالعہ جات کی ترتیب رکھی گئی ہے اس کے اُلٹنے سے یہ امر فوراً عیاں ہو جاتا ہے - کہ مجلس اور سلطنت کا وجود دو نہایت ضروری امور ہیں - جو ہم سے بلا واسطہ متعلق ہیں اور ہم پر بہت گہرا اثر ڈالتے ہیں - اور ان کے مطالعہ کی سائنس سے دوسرے درجہ پر ضرورت ہے - کیا یہ مناسب اور ضروری نہیں ہے کہ اپنے جسم کے ڈھانچے کو مطالعہ کرنے کے بعد مجلس کے ڈھچر کی جانچ پڑتال کی جائے اور اس کی نسبت تمام امور سے واقفیت حاصل ہو؟ باوجود اسکے سوشیالوجی (علم المعاشرت) اور پولیٹیکل سائنس کو اسکولوں اور کالجوں کے نصابوں میں کوئی رتبہ حاصل نہیں ہے - بہت تھوڑے لڑکے اسکولوں کے ایسے نکلینگے - جو ٹیکس اور ریٹ (نرخ بازاری) کی تشریح و تفریق کر سکیں - لوکل گورنمنٹ کی معمولی باتوں کا تو انہیں کوئی علم ہی نہیں ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ ان کے دماغوں کو کیوں ایسے علمی امور کا ذخیرہ بنایا جاتا ہے - جو بعد کی زندگی میں ذرا بھی کارآمد نہیں ہو سکتے - کیوں شہریت کے حقوق و فرائض کی تعلیم نہیں کی جاتی؟ کیوں تمدنی مسائل سے انہیں بے خبر رکھا جاتا ہے - جن سے انہیں دوچار ہونا پڑیگا؟ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ دور افتادہ اور خارج از مطلب مباحث سے اُستادوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے - اور کلاس میں انہیں پر سب سے زیادہ زور ڈالا جاتا ہے - اور جو امور ضروری ہیں اور جن کا طلبا کی زیست پر براہ راست اثر پڑتا ہے - ان سے غفلت کی جاتی ہے - ان کی تحصیل اور واقفیت اتفاق کے سپرد کی جاتی ہے - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ ضروری باتوں سے بے خبر اور لاپروا ہو جاتے ہیں - اور اتحاد و یکجہتی سے کام

کرنے کے نا اہل رہتے ہیں۔ جس سے قومی اثر و اقتدار حاصل ہو سکتا ہے۔
طبقۂ وسطےٰ کے لوگ شہریت کے حقوق اور ذمہ داریوں سے نا واقف ہیں۔ اور ان سے واقفیت پیدا کرنے کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ قابل افسوس حالت ہے۔ اچھے اچھے اور ذی عزت لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ محنت، سرمایہ اور ہڑتال کے متعلق جتنا شور و غل سُننے میں آتا ہے وہ صرف سوشلسٹ[1] لوگوں کی شرارت اور افترا پردازی ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ اقتصادات (Economics) کے تمام مسائل اور مصطلحات اسی فرقہ کے اولوالعزموں کی تراش ہے۔ جو دن دہاڑے مجلس اور نظام مجلس کے منتہائے کمال کی بابت طرح طرح کے خواب دیکھتے ہیں۔ اور اپنے انوکھے خیالات کے مطابق نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ برعکس اسکے نفس الامر یہ ہے کہ سب مزدوری پیشہ لوگ اپنے فائدہ کی باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے مطلب کی پولیٹکل اکانومی بھی جانتے ہیں اور یہ باتیں وہ کسی کے سکھانے کے محتاج نہیں ہیں۔ تفصیلی جھگڑوں میں وہ نہیں اُلجھتے۔ کیونکہ اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اراضی، لگان اور شرح اجرت ان کے مطلب کی خاص باتیں ہیں۔ جن کے لئے ان کا دماغ اور دل وقف ہے۔ اگلے زمانوں میں جو مجادلے اور منازعے دیکھنے میں آئینگے وہ تمدنی نوعیت کے ہونگے۔ جنگی نہیں ہونگے۔ اور جو لوگ ان میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ انہیں ابھی سے اس کے واسطے خوب کیل کانٹے سے تیار ہو جانا چاہئے۔ اگر بعض ضروری امور سے لاعلم رہنا جرم میں داخل ہے۔ تو آج کل کی پولیٹکل اور سوشل تحریکوں سے واقفیت پیدا

[1] سوشلسٹ۔ سوشلزم کا معتقد اور وکیل عرصہ سے یورپ میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو تمدنی اصلاح پر زور دیتا ہے۔ موجودہ نظام تمدن کو بدلنے کے درپے ہے۔ اس کا یہ خیال ہے کہ چند واحد افراد کے ہاتھ میں انتظام نہ ہو۔ بلکہ باقاعدہ اتفاق اور کوپریشن سے ملکیت اور جائداد مشترکہ ہو اور اس سے سب لوگ مساوی فیض پائیں۔ مساوات پر زور دیا جاتا ہے۔

نہ کرنا اور بھی مذموم ہے۔ جیسا تاریخ سے ظاہر ہے چاہے علم کی سیکڑوں اور غیر مفید باتوں سے کتنی گہری واقفیت کیوں نہ ہو +

مطالعہ تاریخ کی قدر و قیمت

ہم نے تاریخ کا اشارۃً ذکر کیا ہے۔ جو طالب علم پیچھے بیان کی ہوئی ترتیب کے مطابق عمل کرنا چاہے۔ کہ وہ ان مضامین کی تاریخ میں بھی تھوڑی بہت مہارت پیدا کرے۔ تاریخ سے ہماری مراد دُنیا کی تمام پولیٹکل۔ مالی اور سوشل جھگڑوں اور تحریکوں کی داستان ہے +

تاریخ کے مطالعہ کے فوائد ایسے بیّن ہیں کہ انکے تفصیلی ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم صرف اس امر پر سب سے زیادہ زور ڈالنا چاہتے ہیں کہ تاریخ بنی آدم کی خواہشات اور اعمال کی داستان ہے... اس کی کمزوریاں۔ اسکی مختلف قوتیں۔ اسکی عہد بہ عہد ترقیاں اور یہ کہ اسکی قسمت میں کیا بدلا ہے یہ سب کچھ تاریخ کے صفحات سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ تمام اہم واقعات اور تمام مباحث کے رد و بدل کا قصہ سناتی ہے۔ اس واسطے جو آدمی حال کی رفتار سمجھنے اور مستقبل کی حالت کا اندازہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے تاریخ سے کبھی بے پروائی نہیں برتنا چاہئے۔ مشہور انگریز مورخ جان رچرڈ گرین کی اہلیہ صاحبہ بڑی صداقت اور راستی سے بیان کرتی ہیں "انگلستان میں بالعموم اور معاملات کی موجودہ حالت میں بالخصوص سب سے بڑی ضرورت تاریخ کا پورا اور صحیح علم ہے۔ ملکی معاملات کے انصرام اور پولیٹکل مسائل کے سلجھاؤ میں جو غلطی ہم سے اس وقت یا آیندہ سرزد ہوگی۔ وہ اس چوک سے زیادہ خطرناک اور اہم ہوگی جو ہم سے ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہماری ذمہ داریاں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔ ہم سے جو غلطیاں ہوتی ہیں۔ ان کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ ہم اور قوموں کی تاریخ سے ناآشنا ہیں۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم ان کے تمدن اور اس کی خصوصیات کی بابت غلط خیالات رکھتے ہیں۔ بہت سے انگریز ایسے ہیں جو غیر قوموں اور ملکوں کی عادتوں اور باتوں کو غیر مہذب اور وحشی صفت

سمجھتے ہیں۔ اور ان خوفناک غلط فہمیوں کا رفعداد صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ
ان قوموں کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ کو غور سے پڑھا جاے۔ انگریزوں کا یہ خاصہ
ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ کہ وہ دوسری قوموں کو بڑی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے
اسکاٹ لینڈ۔ آئرلینڈ اور ویلز کے قوانین کو "فضول دستور۔ جو خدا کی نظر میں
ناپسندیدہ اور آئین کہلانے کے قابل نہیں ہیں۔ قرار دیا گیا" برطانیہ کے زیرنگین
اور بہت سی قومیں ہیں۔ جن کی رسوم کو بوجہ جہالت، وحشیانہ سمجھا جاتا ہے اور
انہیں منسوخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے + تاریخ کے بغور مطالعہ سے عیاں
ہوتا ہے کہ جس قوم کو اس کے قدیمی آئین اور رواج سے محروم کر دیا جاتا ہے۔
تو اس کی حالت ایسی ابتر ہو جاتی ہے کہ کسی وسیلہ سے وہ تمدن کے زینہ پر
نہیں چڑھ سکتی۔ ان قوموں کی اقبال مندی اور ترقی اسی حالت میں تقویت
پکڑ سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے خیالات اور اصول اور آئین کے مطابق اپنی حالت
بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ ہم اہل انگلستان کے واسطے تاریخ ایک یہ بڑی
خدمت انجام دیتی ہے۔ کہ وہ غیر قوموں کے رسم و رواج۔ عادات و اطوار ہمیں
سمجھاتی ہے اور ہمارے دل میں ان کے تمدن کے لئے حرمت پیدا کرتی ہے۔
جب ہمیں تاریخ سے خاطر خواہ واقفیت پیدا ہو جائیگی۔ تو ہم زیادہ عقلمند ہو جائینگے
اور دوسری قوموں کا ذکر ادب سے کرنا سیکھ لینگے۔ مُطیع قوموں کے ساتھ عمدہ برتاؤ
ہوگا۔ جس میں سراسر ہمارا اور ان کا فائدہ ہے"+

دستکاری کی تعلیم

اب شاید یہ سوال کیا جاے کہ اُن عملی قوتوں کی تربیت کا کیا
انتظام ہو سکتا ہے جن کا پیچھے ذکر آیا ہے؟ اب تک جن مضامین
کے مطالعہ کا ذکر ہوا ہے وہ صرف عقلی قوت کی ترقی اور نمو سے
علاقہ رکھتے ہیں۔ دستکاری کی قوت کیسے بڑھائی جاتی ہے جس سے بالواسطہ
ذہن کی تربیت ہوتی ہے۔ اگر وہ قاعدہ جس کی رو سے مطالعہ کے مضامین
ترتیب دئے گئے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ مفردات سے شروع کرکے رفتہ رفتہ
مجردات کی طرف قدم بڑھایا جاے۔ تو مصوری (Drawing) پر قبل ازیں

کیوں زور نہ دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی لڑکا نقشہ کھینچے بغیر جغرافیہ یاد نہیں کر سکتا جس سے دستکاری کی تربیت ہوجاتی ہے۔ باوجود ان اتفاقی امور سے جن سے عملی تعلیم ہوتی ہے۔ مصوری کو تعلیمی مضامین کی فہرست میں داخل کرلینا چاہئے۔ تقریباً چند پیشوں کے آدمی ایسے ہیں جنہیں مصوری سے کام نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سب لوگوں کے بڑے کام کی چیز ہے۔ ہر قسم کے انجنیری اور سب قسم کے کاموں میں جہاں نقشے اور خاکے سے واسطہ پڑتا ہے۔ مصوری بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے +

بحث کا لب لباب

جو کچھ ہم نے پیچھے لکھا ہے۔ ہم اسے نبھانے کو تیار ہیں ہم اس کی عمل پیرائی پر زور دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم پھر ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ لڑکوں کی ذہنی حالت اور سودمندی کا عام خیال کرکے یہ مناسب ہے کہ پہلے مفرد مضامین شروع کرائے جائیں۔ پھر مجرد قسم کے علوم بآسانی پڑھائے جا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنی زبان[۵] پڑھاؤ۔ اسکی صرف و نحو سکھاؤ اور اچھی اچھی کتابیں لڑکوں کے نصاب میں داخل کرو اسکے ساتھ ہی معمولی حساب کتاب بھی بتایا جاوے +

ہم نے سائنس کے وسیع معنے لیکر اسکے مطالعہ کی تاکید کی ہے۔ فزیالوجی (خواص الاعضا) اور فزیا گرافی (جغرافیہ طبعی) پر خاص زور دیا ہے۔ سائنس کے دوش بدوش ریاضیات کا بھی مطالعہ ہونا چاہئے۔ پھر سوشیالوجی (علم المعاشرت) پولیٹکل سائنس (سیاست مدن) اور ڈرائنگ (مصوری) بھی نصاب تعلیم میں داخل کرلینا چاہئے + اسکولوں میں پہلے پہل چند سال تک اپنی زبان سکھانا چاہیئے۔ جو عام طور پر صوبہ اور ملک میں بولی جاتی ہو۔ لڑکوں کو گھر میں کام کرنے کو نہیں دینا چاہیئے۔ باقی مضامین بعد میں شروع کرانے چاہئیں جیسا کہ محکمہ تعلیمات نے تجویز کیا ہو +

---

[۵] مصنف نے "انگریزی" لکھی ہے۔ کیونکہ اس کا روئے سخن انگریزوں سے ہے میں نے "اپنی زبان" لکھا ہے۔ کیونکہ ہم ہندوستانیوں کے لئے یہی زبان درکار ہے + مترجم

معاشرت سے ان مطالعہ جات کا تعلق

اس سے بڑی اور قابل غور بات یہ ہے کہ اپنی زبان سائنس ریاضیات ۔ سوشیالوجی اور مصوری ہمیں حصول معاشرت میں ہماری معاون ہوتی ہے اور ہمیں زندگی میں کامیاب ہونے اور آرام و آسائش سے زیست بسر کرنے کی توفیق بخشتی ہے ۔ یہ زمانہ جہد الحیوٰۃ کا ہے حصول معاش کی کشاکش سخت ہوگئی ہے ۔ ان علوم کی تحصیل سے ہم اس میں عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں ۔ عقلی قوت تربیت حاصل کرکے بڑھتی ہے ۔ اور جذبات لطیفہ کی تحریک و تولید کے لئے کافی گنجائش باقی رہ جاتی ہے + بعض لوگ اس تجویز کو ناپسند کرینگے اور کہینگے کہ کسی شوقین اناڑی کی اختراع ہے ۔ جو نہیں جانتا کہ اصول اور عمل میں اصل فرق کیا ہے ۔ لیکن اگر ہماری غلطی نہ ہو ۔ تو ہم یہ سمجھتے ہیں ۔ کہ زمانہ کا رخ ہمارے خیال کے موافق ہے لوگ نئے طریقہ تعلیم کے بہت محتاج ہیں + اخبار فورم کے اڈیٹر ڈاکٹر جے ۔ ایم رائس نے ایک مضمون " موجودہ نظام تعلیم سے بہتر نتائج کیوں نہیں نکلتے " ؟ شائع کیا ۔ جس میں اس امر پر بحث کی ہے ۔ کہ اگر زندگی کے لئے کسی علم کی ضرورت ہے ۔ تو سب سے پہلے اس سوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ علم کی تمام شاخیں مساوی قدر و قیمت نہیں رکھتی ہیں اس واسطے ہمارے لئے یہ لازم ٹھیرتا ہے ۔ کہ ہم اُن علوم و فنون کو سوچ سمجھکر منتخب کرلیں ۔ جن کے حصول سے بچے کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے + فاضل مضمون نگار اسکولوں کے مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں (۱) ایک زمرہ میں وہ مضامین ہیں جن کی بدولت لڑکا جوان ہوکر کوئی پیشہ اختیار کرکے روٹی کماتا ہے (۲) ایسے مضامین ہیں جو اس غرض سے پڑھائے جاتے ہیں کہ ان سے آدمی اپنے روزمرہ کے کاروبار کے ماسوا زندگی کے باقی شعبوں میں شریک اور ہر طرح کی دلچسپیوں سے پورا حظ حاصل کرسکے + ان میں سے کون سے مضامین کو اوروں پر ترجیح حاصل ہونا چاہیے جواب بالکل صاف اور دوٹوک ہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر ممدوح لکھتے ہیں ۔

میری رائے میں جو لڑکے صاف ۔ صحیح اور عمدہ املا لکھ سکتے ہیں ۔ جن کا خط خوبصورت ہو ۔ اور تیزی و صفائی سے لکھ سکتے ہیں ۔ اور اپنے خیالات کا شستہ پاکیزہ زبان (انگریزی) میں اظہار کر سکتے ہیں اور معمولی حساب کتاب جانتے ہیں وہ دُنیا میں بہت جلد کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ اور جن لڑکوں میں یہ خوبی نہیں ہے ان کی کامیابی کا موقع بہت تنگ ہے"۔ یہ خیال نامور راقم کا بالکل درست ہے ۔ ہمیں اس رائے سے ہرگز اختلاف نہیں ہے ۔ جو بات امریکہ پر عائد ہوتی ہے ۔ وہ انگلستان میں بھی درست ہے (اور ایک حد تک ہندوستان پر بھی صادق آسکتی ہے) + موجودہ طریقۂ تعلیم ترمیم کا بے طرح محتاج ہے ۔ اور اس بات کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ جو مضامین لڑکوں کی بعد کی زندگی میں بہت کارآمد ثابت ہوتے ہیں ۔ وہ اسکول کے نصاب میں رکھے جائیں +

ملک الشعرا شیکسپیر کہتا ہے:۔ "زبردست عقل زبردست کام کرتی ہے"۔

"طالب علم" کس کو کہتے ہیں؟ لغات میں لکھا ہے:۔ "جو شخص کتابوں سے علم حاصل کرنے میں مصروف ہو + لغوی معنی علم کا جویاں اور متلاشی

طالب علم کی تشریح

اصطلاح میں ایسے لڑکے کو کہتے ہیں جو کسی مدرسہ یا پاٹ شالا میں کسی نہ کسی علم کی تحصیل میں مشغول ہو"۔ مگر فی زمانہ جو مراد "طالب علم" سے لی جانی چاہیے اور لی جاتی ہے ۔ وہ اس سے مختلف ہے ۔ آجکل علوم تجربیہ کی تحصیل و تحقیق اور تجسس عام ہو رہی ہے ۔ جو شخص کسی اچھے اور مفید علم کا بھوکا ہو چاہے وہ تاریخی اور جغرافیائی حقائق معلوم کرنے کا خواہشمند ہو ۔ چاہے سلسلۂ اسباب و نتائج کا کھوج لگانا اور مظاہر فطری کی علت غائی دریافت کرنے کے درپے ہو:۔ "طالب علم" کہلا سکتا ہے ۔ ہو سکتا ہے ۔ طلبا کے مقاصد اور طریقے بہت مختلف ہوتے ہیں ۔ مگر ان کا مقصود ایک ہوتا ہے وہ سب کے سب علم کے متلاشی ہوتے ہیں اور اس سے جو طاقت حاصل ہوتی ہے ۔ اسکے حصول کے خواہشمند رہتے ہیں +

جو شخص شاذ و نادر ہی کتاب کھولتا ہے ۔ بلکہ گھنٹوں تک خردبین ہاتھ

طالب علموں کی معروفیت

ہیں لئے ننھے ننھے جانداروں اور چیزوں کی ماہیت دریافت کرنے میں منہمک رہتا ہے یا اپنے وقت کا بڑا حصہ مشاہدہ اور یادداشت نویسی میں صرف کرتا ہے۔ وہ ایسا اچھا طالب علم ہے جیسا وہ شخص جو ایک بھولی بسری قوم کے حالات لکھنے کی غرض سے پرانی کتابوں کی ورق گردانی کرتا اور رات دن ان کے مطالعہ میں لگا رہتا ہے۔ بنک کا کلارک جو فرصت کے وقت غریبوں کی ضروریات معلوم اور ان کی مشکلات حل کرنے میں مصروف رہتا ہے وہ اُس طالب علم سے کسی طرح کم نہیں ہے جو شام کے اسکول میں ریاضیات کا مطالعہ کرتا ہے۔ گو بسا اوقات دیکھا جاتا ہے۔ ایسے شخصوں کو طالب علمی کا لباس پہننا اور طرز عملی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ جو طالب علموں کا مزاج نہیں رکھتے۔ اور یہ ایک نہایت افسوس اور حسرت کی بات ہے کہ عمل پسند آدمی صاحب فکر کا رویہ اختیار کرنے کو مجبور ہو جائے۔ باوجود اس کے بھی گاہے گاہے عمل پسند انسان کو طالب علم بننا پڑتا ہے۔ کامیاب سپہ سالار کو کبھی کبھی گھنٹوں تک غنیم کی نقل وحرکت کو دیکھنا اور اُس کے مطابق سوچ بچار کر اپنے لشکر کو ترتیب دینا پڑتا ہے۔ ملکی معاملات میں مُدبر بھی اسی طرح غور و فکر کے بعد اُس پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جس کا وعدہ اپنے ابنائے وطن سے کر بیٹھتے ہیں۔ الغرض معقولیت کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہر ایک کو چاہے وہ دوکاندار ہو یا سپاہی بخار ہو یا مستری طالب علم بننا پڑتا ہے۔

صاحب میلان

مگر سچے طالب علم کی نشانی یہ ہے کہ طبیعت کا خاص طرف میلان ہوتا ہے۔ وہ خیالات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ ہر وقت یہی معلوم کرنے کی دُھن میں اُلجھا رہتا ہے کہ وہ کس طرح دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ رفتہ رفتہ بڑھکر کس طرح توسیع حاصل کرتے ہیں۔ گو وہ انہیں عمل میں لانے کی اتنی فکر نہیں کرتا۔ اسے تماشائی سمجھنا چاہیئے۔ جس قدر زیادہ زبردست خواہش اس کے دل میں

علم کی پیدا ہوتی ہے۔ اسی قدر زیادہ وہ تماشائی بن جاتا ہے۔ گویہ بالکل درست ہے کہ کوئی قوم فلاسفروں۔ عالموں۔ سائنس دانوں اور اقتصادات کے ماہروں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مگر ان کی نسبت وہ عمل پسندوں اور کام کرنے والوں کی سب سے زیادہ محتاج ہے۔ اگر اشتیاق علم حد سے تجاوز کر جائے۔ تو اس سے دُنیا ایک مصیبت میں مبتلا ہو جائیگی + تمام بڑی بڑی اصلاحات کا مبدا ایسے اسباب ہوتے ہیں جن کی خاص نشانی جوش اور جدت پسندی ہے۔ گو جدت پسند بہت سی حالتوں میں فلاسفروں اور سوچنے والوں کے احسان مند ہوتے ہیں۔ جن کے خیالات اور تعلیمات بہت سی دقتوں کو رفع کر دیتے ہیں۔ جو نئی باتوں اور اصلاحوں کے راستہ میں حائل ہوتی ہیں۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ اگر یہ اصلاحات اور جدتیں انہی پر چھوڑ دی جائیں تو وہ کبھی عملی صورت اختیار نہ کرنے پائیں + لیکن حق الامر یہ ہے کہ صاحب فکر سے عمل کی توقع رکھنا بے سود ہے۔ وہ جمہوری تحریکوں کے پُرجوش حامیوں اور لیڈروں کی نادانی اور ناواقفیت پر پُر تبسم نگاہ ڈالتا ہے اور آخر الذکر فلاسفر کی نا عاقبت اندیشانہ لاچاری کو رحم اور دردمندی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مگر بالآخر دونوں ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں پھر اتفاق اور یکجہتی سے کام شروع کر دیتے ہیں۔ قومی زندگی کے واسطے ان دونوں کا وجود لازم ہے +

تکمیل طبیعت

سچا اور قابل تقلید طالب علم وہ آدمی ہے۔ جو اپنے کیرکٹر کے ہر پہلو کو کامل بنانے کی سعی کرتا ہے۔ وہ زمانہ کا رخ جانچتا ہے۔ وہ عملی حصہ لیکر اس کی رہنمائی کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے۔ کہ خیال جو دل میں پیدا ہوتا ہے اس کا نشیمن دماغ نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے عمل کا جامہ پہنا کر اوروں کو بھی اس سے مستفیض کرنا چاہئے۔ لیکن دقت یہ پیدا ہوتی ہے۔ کہ ایک خیال کو پائۂ تکمیل تک پہنچانے کا دل وجان سے تردد نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے ہم اسے

ناممکن العمل سمجھنے لگتے ہیں۔ اور پھر بے معلوم طور پر ہم یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ایک بہت محدود معنی میں آدمی ایک ساتھ طالب علم اور عمل پسند ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ایک آدمی کو غریبوں کی غربت اور بیکسی سے ہمدردی ہے۔ تو وہ صرف اتنا ہی کر سکتا ہے۔ کہ وہ ان کے حالات پڑھتا رہے اور ان کی دستگیری کی عملی تجاویز اختیار کرتا رہے۔ مگر وہ اس اصطلاح کے وسیع معنی میں طالب علم نہیں بن سکتا۔ یہ خیال درست نہیں ہے + عالم الٰہیات الٰہیات کا مطالعہ کرتا ہے۔ فلاسفر فلسفہ کے مسائل کی فکر میں الجھا رہتا ہے۔ عالم کتب خانوں کو چھان ڈالتا ہے اور حروف تہجی کی ابتدا اور اسکی عہد بہ عہد ترقیوں کا پتہ لگانے کی دھن میں حیران رہتا ہے اور ہم انہیں طالب علم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسے آدمی کو طالب علم نہ پکاریں جو عالمانہ مزاج تو نہ رکھتا ہو مگر غربا کی امداد کے قوانین کو خاص طور پر مطالعہ کرتا ہے اور اپنی زبردست خواہش کے ساتھ عملی جوش اور مستعدی کو بھی شامل کر دیتا ہے +

تھوڑے عرصہ پہلے کے طالب علم عزلت نشین اور تارک الدنیا تصور ہوتے تھے۔ جو شخص گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھتا اور گیان دھیان میں لگا رہتا۔ اور معاملات دنیوی سے سروکار نہ رکھے۔ وہ چند پشتیں پیشتر قابل تعریف طالب علم سمجھا جاتا تھا + آج کل بھی بہت سے ایکانتی طالب علم موجود ہیں۔ مگر ایکانت کے بھاؤ سے جو مبارک شان منسوب کی جاتی تھی اس کی اب بیقدری ہے۔ علم و کمال کی قدر و عزت بدستور سابق ہوتی رہیگی۔ مگر اب دنیا کو اس بات کی ذرا بھی فکر نہیں ہے کہ آیا نام آور اور ممتاز عالم نے اپنی علمیت کسی کتب خانہ کے اندر حاصل کی ہو یا کھیل کود کے میدان اور عام گزرگاہوں میں۔ بلکہ بلاخوف مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ لوگ ایسے عالم کو بڑی عزت اور قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو ساتھ ہی دنیادار بھی ہو۔ یعنی دنیا کے روزمرہ کے کاروبار سے بھی واقف ہو۔ اور عوام کے

مشاغل اور تفریحات میں دل سے شریک ہو۔ جیسے پروفیسر مہانی جو کرکٹ کے کھیل میں خوشی خوشی شریک ہوتے تھے اور سیر وشکار کے بڑے شائق تھے۔ آج کل کا عام میلان طالب علم کی گوشہ نشینی کے بالکل خلاف ہے۔ وہ ایسے طالب علم کی بڑی قدر کرتی ہے۔ جو علم وفن کے مسائل کی دلآویزی کے ساتھ عاشقانہ باتوں میں بھی مستعدی ظاہر کرے۔ ہاں البتہ وہ طالب علم سستی کے الزام سے بآسانی بری ہوسکتا ہے جو اپنے دماغی خزانہ سے بیش قیمت موتی نکال کر دنیا کی نذر کرے۔

رجحان شخصی یہ کہنا بے جانہ ہوگا۔ کہ مزاج اور خاصۂ طبیعت کی ایک خاص قسم ہے جو طالب علم ہی کی ذات میں خصوصیت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ مختلف صورتوں میں اظہار پاتا ہے۔ بعض طلبا میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ علم کے ایک خاص شعبہ کو اپنے غور وخوض اور تحقیق وتجسس کا مبحث بنا لیتے ہیں۔ بعض اور قسم کے طالبان تحصیل علم ہیں۔ جو رات کے وقت زیادہ آسانی اور کامیابی کے ساتھ اپنا پسندیدہ کام کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ طلبا کے واسطے کوئی خاص ہدایت نامہ وضع کرنا دشوار ہے۔ جیسے کہ ایک مسئلہ پر ایک جامع اور کامل کتاب بنانا مشکل ہے۔ کیونکہ انکی عقلی اور جسمانی خصائص مختلف اور متضاد ہوتی ہیں۔ باوجود اسکے بھی طالب علمی کے زمانہ اور زندگی کے متعلق بہت سی باتیں مشترکہ ہوتی ہیں۔ جنہیں یہاں ہدایات کے تابع کیا جاسکتا ہے۔ اور ہمارا کام یہ ہوگا کہ ہر قسم کے میلانوں اور رجحانوں کے بڑے ذخیرہ میں ایسی خصوصیات منتخب کریں۔ جو سوچنے سمجھنے والے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد پر عائد ہوتی ہیں۔

مکتبی تعلیم کا مقابلہ پرائیویٹ مطالعہ سے

امریکہ کا نہایت مشہور فلاسفر مصنف امرسن کہتا ہے:۔ ہم لفظوں اور فقروں کے طالب علم ہیں۔ دس پندرہ برس تک اسکولوں اور کالجوں کی

چار دیواری کے اندر بند رہتے ہیں۔ تو جب وہاں سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو ہمارے دماغ لغات کے مخزن ہوتے ہیں۔ اور ہم کسی بات سے واقف نہیں ہوتے۔ ہم اپنے ہاتھوں۔ ٹانگوں۔ آنکھوں اور بازوؤں سے کام لینا نہیں جانتے۔ الغرض اسکول چھوڑنے کے وقت ہم صرف ہوا کی بنسلی ہوتے ہیں۔

اگر ہر قسم کی تعلیم صرف شخصی تعلیم ہے۔ تو یونیورسٹی کی تعلیم کا مسئلہ جس کے فائدہ اور نقصان کے بارہ میں اخباروں میں آئے دن چرچا ہوتا رہتا ہے بہت سادہ ہو جاتا ہے۔ اسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہ تو مکتبی تعلیم کے حامی اور نہ اسکے مخالف راستی پر ہیں بلکہ اصلیت دونوں کے دعاوی اور خیالات کے مابین ہے۔ مصنف نے ایک مرتبہ آکسفورڈ کے ایک نامی گریجویٹ سے پوچھا تھا "آپ اپنا وقت کس قسم کے مشاغل اور مصروفیتوں میں صرف کرتے تھے جب کالج میں تعلیم پاتے تھے"۔ تو انہوں نے یہ جواب دیا "جب کالج کے زمانہ میں میں کلاس میں جا کر لیکچر سنتا تھا۔ اپنے دوست آشناؤں سے ملتا تھا۔ اور سب قسم کی تفریحات سے دل بہلاتا تھا۔ جب تعطیلات کے زمانہ میں میں بہت پڑھتا تھا"۔ اس جواب سے کالج کے طریقہ تعلیم کی حقیقت ظاہر ہے۔ ایک ہی قسم کے آدمیوں کے اختلاط اور انکی بات چیت سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور کئی قسم کی باتیں جو نوجوان کالج میں سیکھتا ہے ان کی کوتاہی پر اگر کوئی آدمی تاسف کرتا ہے تو ایک حد تک بجا ہے کیونکہ ایک وسیع معنی میں سوسائٹی ایک بہت بڑی معلمہ ہے۔ برعکس اس کے یہ خیال بھی غلط ہے کہ کالج کے لیکچر اور یونیورسٹی کے امتحانات ہی صحیح تعلیم ہے جس کے حصول کی نوجوانوں کو کوشش کرنا چاہیے۔ اگر حالات کی وجہ سے کوئی آدمی اس قسم کی تعلیم سے محروم رہا ہو۔ تو اسے ہرگز افسوس نہیں کرنا چاہیے اور اسی جگہ یونیورسٹی تعلیم کے مخالفوں کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے۔ کالج کے طریقہ تعلیم میں چاہے جتنی خوبیاں ہوں۔ مگر اس کے فوائد نقصانات کے بالمقابل بہت تھوڑے ہیں۔

یونیورسٹی تعلیم کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان پر غور کرنا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقابلہ پرائیویٹ تعلیم سے کیا گیا ہے۔ پادری۔ اے۔ جے۔ مکنان ایم۔ اے نے ایک ماہانہ میں یونیورسٹی کی تعلیم کے مضار پر بحث کرتے ہوئے کچھ عرصہ ہوا لکھا تھا۔ اس طریقۂ تعلیم میں ایک تو یہ خسارہ ہے کہ لڑکے کی نئی بات پیدا کرنے کی قوت برباد ہوجاتی ہے حالانکہ اس طاقت کو اس کے اندر پیدا کرنا بہت ہی ضروری بات ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے۔ کہ اس سے لڑکے کی دُنیا اور ہی قسم کی ہوجاتی ہے جو ہمارے روزمرہ کے جہان سے بالکل جداگانہ ہے۔ تیسرا گھاٹا اس تعلیم میں یہ ہے کہ خود پسند اور اختلاط کے ناقابل ہوجاتے ہیں۔ گو اس مسئلہ پر قابل مضمون نگار نے شرح و بسط کے ساتھ بحث کی۔ مگر وہ دوسرے اور تیسرے امور کے بارہ میں ناقابل تردید دلائل پیش کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ قوت ایجاد کی نمو نہ ہونے کے بارہ میں اُنھوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے دلائل کی صف آرائی کی ہے۔ جسے توڑنا آسان کام نہیں ہے۔

کالج کی تعلیم کے نقائص

چند برس ہوئے۔ رسالہ "نائنٹینتھ سنچری" میں مسٹر آٹو الٹس بارکر نے ایک زبردست مضمون مکتبی تربیت کے خلاف شائع کیا تھا۔ جو پادری صاحب موصوف کے مضمون سے کئی درجے بڑھ چڑھکر تھا۔ نئی نئی باتیں سوچنے اور اچھے اچھے منصوبے باندھنے کی جبلی قابلیت کی تربیت کے بارہ میں جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ نائنٹینتھ سنچری کا مضمون نگار حسب ذیل لکھتا ہے "کیا وجہ ہے کہ بہت سے کامیاب اور نامی گرامی آدمی اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے تھے۔ چونکہ دوسروں کے خیالات اور آرا بے سوچے سمجھے قبول کرنے سے نئی بات پیدا کرنے کی طاقت برباد ہوجاتی ہے۔ اور ذہن کی جبلی اہلیت جس سے وہ اعلےٰ منصوبے باندھتا اور نئی تجویزیں سوچتا ہے بالکل کمزور ہوجاتی ہے۔ اس واسطے شاندار کامیابی نقالوں کے حصہ میں نہیں آتی۔ بلکہ اپنے طور پر سوچنے اور فکر کرنیوالوں کا بخرہ بنتی ہے"

علاوہ ازیں آزاد منش اور عجیب وغریب ذہانت والے آدمی جن کی تقدیر میں عظمت اور شہرت بدی ہے ۔ وہ اسکولوں کی قیود کو صبر سے برداشت نہیں کر سکتے اور وہاں جو اصولی اور غیر سود مند تعلیم ملتی ہے اسے بھی وہ پسند نہیں کرتے ۔ بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بے روک ٹوک اپنی کامیابی کے آخری مرحلہ کی طرف قدم اُٹھائیں ۔" جس حد تک درست ہے ۔ ہم اس تنقید کو جو اسکولی تعلیم کے بارہ میں ہے تسلیم کرنے کو آمادہ ہیں ۔ اگر اس سے آگے جائیں ۔ تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں کو یہ صلاح دینے کو مجبور ہونگے کہ وہ معمولی ذہانت کے طالب علموں کے لئے اپنے دروازے بند کر دیں اور اسکول کے بعد لڑکے آڈ النٹس ہاکر کی رائے کے مطابق اپنی خوشی اور میلان طبع سے اپنی کامیابی کی شاہراہ بنا لینگے ۔ اور ہر ایک اپنے کمرہ میں جاکر اپنے طور پر پڑھیگا ۔ اور اپنا مقصود حاصل کریگا ۔

اپنے آپ پڑھے ہوئے آدمی

مضمون نگار آگے جاکر کہتا ہے :" جب ہم ارد گرد نظر عمیق ڈالتے ہیں اور تاریخ کے صفحے بدلتے ہیں ۔ تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے لیڈر جنہوں نے خاص شعبوں میں اقتدار اور نام پیدا کیا ہے ۔ نہ صرف اعلےٰ تعلیم ہی سے بے بہرہ تھے ۔ اور اُنہوں نے اپنے طور پر ضروری تعلیم حاصل کی تھی ۔ بلکہ بہت سے مدبّر اور پولیٹکل دُنیا کے پہلوان اور نامی گرامی تاجر معمولی تعلیم سے بھی محروم تھے ۔ ابراہام لنکن جارج واشنگٹن سے دوسرے درجہ پر صوبجات متحدہ امریکہ کے نہایت مشہور نیکنام اور ہر دلعزیز پریسیڈنٹ تھے ۔ انہوں نے اوائل عمر میں صرف پڑھنا لکھنا اور حساب سیکھا تھا ۔ اور یہ بھی نامکمل اور بالکل ادھوری تھی ۔ امریکہ کے ایک اور نہایت مشہور پریسیڈنٹ گارفیلڈ کی بابت لکھا ہے کہ جب وہ دس برس کے تھے تو ایک ملّاح کے ساتھ کشتی رانی کیا کرتے تھے ۔ پریسیڈنٹ جیکسن زین ساز تھے ۔ ان کا املا بھی صحیح نہ تھا ۔ پریسیڈنٹ بنجمن ہیریسن لڑکپن

میں کاشتکاری اور کسانی کا کام کیا کرتے تھے اور پریسیڈنٹ انڈریو جانسن درزی تھے کسی اسکول میں تعلیم نہ پائی تھی۔ بلکہ لکھنا پڑھنا اپنی بیوی سے سیکھا تھا۔ جارج پی باڈی نے گیارہ سال کی عمر میں کام شروع کیا تھا + سر ایڈورڈ ہارلینڈ مرحوم نے پندرہ برس کی عمر میں شاگرد کے طور پر کام شروع کیا تھا۔ اینڈریو کارنیگی نے جو اپنے تمول میں قارون ثانی اور سخاوت میں حاتم طائی زمانہ ہیں۔ بارہ برس کی عمر میں ایک کارخانہ میں معمولی کاریگروں کی طرح کام کرنے کو لگائے گئے تھے۔ چارلس شواب جو صوبجات متحدہ (امریکہ) کی مشہور فولاد کارپوریشن کے پریسیڈنٹ اور ایک بہت مشہور تاجر آہن اور نامی کروڑپتی ہیں۔ لڑکپن میں گاڑی چلاتے تھے۔ بعد ازاں ایک کارخانہ آہن میں چھکڑ چلانے میخیں بنانے اور گاڑنے کا کام کرنے لگا۔ جوزیا وج ووڈ (سنہ ۱۷۳۰ء – سنہ ۱۷۹۵ء) انگلستان کا ایک نہایت مشہور کمہار تھا۔ چکنی مٹی کے برتن بنانے میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ گیارہ برس کی عمر میں ایک کمہار کے ہاں شاگرد کے طور پر برتن بنانے کا کام سیکھنے لگا۔ جس سے بڑھتے بڑھتے وہ اعلےٰ کامیابی کے زینہ پر جا پہنچا۔ آرک رائٹ نے جو انگلستان کی حرفت پنبہ کا امام سمجھا جاتا ہے کسی اسکول میں تعلیم نہیں پائی تھی + ٹامس ایڈیسن امریکہ کا مشہور زندہ موجد۔ بارہ برس کی عمر میں بازاروں میں اخبار فروخت کرتا پھرتا تھا۔ اور انگلستان کے آج کل کے نامی گرامی نقاش اور مکسیم موجد توپ۔ سر ہیرم مکسیم چودہ برس کی عمر میں ایک گاڑی بنانے والے کے ہاں کام کرتے تھے امریکہ کا ایک بہت مشہور کروڑپتی وانڈربلٹ نامی تھا۔ جس کے نام پر ایک یونیورسٹی بھی جاری ہے۔ مرتے وقت اس کے پاس دس کروڑ

---

[1] امریکہ کا ایک مخیر طبع کروڑپتی تاجر تھا۔ سنہ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔ شروع میں بہت غریب اور نادار آدمی تھا۔ مگر اپنی کوشش اور ایمانداری کی بدولت اس قدر دولت پیدا کی کہ ستر لاکھ ڈالر یعنی ڈیڑھ کروڑ روپیہ کئی تعلیم گاہوں کو دیا + عجائب خانوں اور کتب خانوں اور علمی انسٹی ٹیوشنوں پر بیشمار روپیہ صرف کیا۔ تمام عمر مجرد رہا + مترجم

ڈالر سے زیادہ تھے۔ کئی ریلوے لائن اس کی ملکیت تھیں۔ وہ بہت ہلکی عمر میں کشتی رانی کرنے کو مجبور ہوا تھا۔ امریکہ میں ایک اور خاندان اپنے تمول اور زمینداری کے لئے مشہور ہے۔ اس کا اس وقت نہایت مشہور قائم مقام جان جیکب اسٹر ہے۔ اس خاندان کا بانی آسٹر اول ایک بچڑ کے ہاں لڑکپن میں کام کرتا تھا۔ انگلستان اور نیز یورپ کے نہایت مشہور اور متمول مہاجن لارڈ اونتھ چائلڈ یہودی الاصل ہیں۔ اس گھرانہ کی ایک شاخ جرمنی میں بھی ہے سلطنتیں ضرورت کے وقت ان سے قرض لیتی ہیں۔ مگر اس خاندان کا بانی مبانی پھیری والے کا کام کرتا تھا۔ جرمنی میں کروپ کا کارخانہ آہنی اشیا کے لئے بہت مشہور ہے۔ جس کا قائم کرنے والا الفریڈ کروپ شروع میں لوہار تھا۔ راک فیلر فی زمانہ قارون کا بھی چچا ہے۔ مال و متاع کروڑوں سے گزر کر اربوں کا ہے۔ اور دنیا کے مالداروں میں سب سے اول درجہ پر ہے۔ ابتدا میں منشی گری کرتا تھا۔ مگر آج وہ اسٹینڈ آئل ٹرسٹ کا پریسیڈنٹ ہے۔ جس کا تیل تمام دنیا میں جاتا ہے۔ یہ نام جو اوپر بیان کئے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے ہیں۔ جو اپنے اپنے کاروبار میں نہایت کامیاب اور ممتاز کہے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کے سب خود ساختہ اور آپ پڑھے تھے۔ اسی شہر لنڈن میں بیسیوں کروڑ پتی ایسے ہیں۔ جو بول چال میں "ہ" کو حذف کر جاتے ہیں جو اس امر پر دال ہے۔ کہ شروع زندگی میں انہیں طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یہ تمام بیانات بہت نصیحت آموز ہیں۔ مگر ہم یہ خیال نہیں کر سکتے۔ کہ چونکہ یہ لوگ اسکولی تعلیم کے بغیر زندگی کی مصروفیتوں میں کامیاب رہے۔ اگر وہ پڑھتے۔ تو ان کی ترقی میں سخت رکاوٹ حائل ہو جاتی۔ لیکن ہم اس سے اپنی مرضی کے مطابق نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں

یہ ممکن ہے۔ کہ کہتبی تعلیم کا ان کی زندگی پر بڑا اثر ہوتا۔ اور یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ اس کا اثر ناگوار ان کی طبیعت پر پڑتا۔ البتہ ایک امر بخوبی واضح ہے۔ کہ کالج کے کارخانہ سے ایک ہی قسم کا مال تیار ہو کر نکلتا ہے۔ جو فہرست مسٹر الٹس با کرنے پیش کی ہے اس کے مقابلہ میں دوسری اور پیش ہو سکتی ہے۔ مثلاً تھوڑے ہی عرصہ کا ذکر ہے۔ کہ آکسفورڈ کے چھ تعلیم یافتہ مجلس وزرا کے مقتدر ارکین تھے ۔

جو طالب علم کالج میں تعلیم نہ پانے پر افسوس ظاہر کرتا ہے اسے اس امر سے تسلی پانا چاہئے۔ کہ اگر وہ کالج میں پڑھتا۔ تو اسے بہت فائدہ نہ پہنچتا۔ جیسا تجربہ سے ظاہر ہے۔ اور شاید یہ اس کے حق میں سود مند ثابت ہو۔ اگر وہ باقاعدہ جماعتوں میں پڑھنے کا آرزو مند ہے۔ تو ہر شہر میں شام کے مدرسے پائے جاتے ہیں۔ مگر اسے یہ امر بھی نہیں بھولنا چاہئے۔ کہ آخر کار تعلیم وہی مفید اور فیض رساں ہوتی ہے۔ جو اپنی کوشش اور دلی شوق سے حاصل کی جاتی ہے۔ نصاب تعلیم کی بہت سی کتابیں۔ اُستاد اور یونیورسٹی کے امتحانات تحصیل علم کا وسیلہ واحد نہیں ہیں۔ اگر ہماری پچھلی بحثوں کے نتائج درست ہوں۔ تو اب ہم یہ کہینگے۔ کہ علم کے واسطے تمام کو مخصوص نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ طاقت کے لئے ہو۔ جو اس کے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں بہت سے علمائے متبحر ہیں۔ مگر ان کی طاقت کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کی حاصل کرنے کی قوت باقی طاقتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ہم نہ تو اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور نہ اُنہیں قابل الزام ٹھیرا سکتے ہیں۔ وہ قسمت کا متفرق حصہ انجام دے رہے ہیں جیسے اور قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ مگر جس آدمی کو ہر قسم کے معلومات بہم پہنچانے کا موقع نہ ملا ہو۔ اُسے اپنے دل میں کبھی رنج نہیں کرنا

با ہئے۔ کیونکہ ایسے آدمی کے حق میں عموماً یہ امر پایا جاتا ہے۔ کہ وہ واقعات
وحقائق معلومہ پر اپنے ذہن کی پوری اہلیت کے ساتھ استدلال
کے عمدہ نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اور اسی میں اس کا زور ایجاد عیاں
وتا ہے۔ اور یہی اصل طاقت ہے ÷

باب چہارم

طالب علم کا کام

الف - طریقہ طبعی

"انسان کے واسطے یہ امر جاننا لازم ہے۔ کہ زیست انسانی اس
اشاگاہ میں خدا اور فرشتوں ہی کو تماشائی ہونے کا استحقاق حاصل
ہے۔" از لارڈ بیکن ÷

یونان کا نہایت مشہور حکیم افلاطون اپنی معرکۃ الآرا کتاب رمی
ب (اصول جمہوری) میں کہتا ہے۔ سترہ اور انیس سال کا درمیانی
مانہ جمناسٹک پر صرف کرنا چاہئے۔ اس کتاب میں اور کئی عجیب
یالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ جو "منتہائے کمال" کی طرف اشارہ
رتے ہیں۔ تو بھی غور و فکر کے لئے کافی مصالح بہم پہنچتا ہے۔ زندگی
اصول اور بنیاد طبعی حقائق اور واقعات پر ہے۔ اور اگر ہم
حت سے کہنے کے مجاز ہوں۔ تو فطرۃً جسم کو ذہن پر ترجیح اور تفوق
اصل ہے۔ اس واسطے تربیت طبعی کو نہایت اہم اور ضروری
مجھنا چاہئے۔ اور یہ نہیں ہونا چاہئے۔ کہ کسرت صرف قیام صحت
توانائی اور تفریح و تفنن کے لئے ہو۔ شاید یہ حجت پیش کی جائے
۔ آج کل تربیت جسمانی اور کھیلوں کا بڑا چرچا ہے۔ اس واسطے
حت قائم رکھنے پر زور دینا بالکل غیر ضروری اور بے سود ہے۔ مگر

مصنّف کی یہ غرض نہیں ہے۔ جس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ ہے
کہ ایک بڑی حد تک تربیت جسمانی کی علّت غائی پہلوان بننا ہے۔
یعنی جسم میں غیر معمولی طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
قیامِ صحت کے مقصد سے بہت تھوڑے آدمی ورزش کرتے ہیں۔
اِس امر سے اغماض نہیں کرنا چاہیئے۔ فی زمانہ طالب علم صحتِ جسمانی
کے ساتھ ہی طاقت دماغی کا محتاج ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے۔
کہ زاہدانہ عادتوں کو بعض دفعہ ایسی اہمیت دیجاتی ہے جس کے کسی
طرح مستحق نہیں ہیں۔ بعض لوگ اپنی پھیکی رنگت اور دُبلے۔ پیلے چہرہ
پر اپنے دل میں فخر کرتے ہیں۔ جو مریضوں کا خاصہ ہے۔ بات اصل
میں یہ ہے۔ کہ ہم عالموں کو دُبلے پتلے اور سوکھے دیکھنے کے عادی ہیں۔
اس وجہ سے انہیں تنومند اور تروتازہ دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔

قوی ہیکل طلاسفر

پس ظاہر ہوا۔ کہ صحت کی ضرورت سب باتوں پر مقدم
ہے۔ جب اپنے روزانہ کام کا پروگرام (تقسیم انضباط اوقات) بنایا
جائے۔ تو اس میں ورزش کے لئے بھی وقت رکھنا چاہیئے۔ تاکہ طاقت
طبعی عمدہ اور تازہ رہے۔ بظاہر یہ متبائن اور متضاد معلوم ہوگا۔ مگر
حقیقت یہ ہے۔ کہ ہم طبعاً طالب علم نہیں ہیں۔ قدرت کا مقصد یہ ہے
کہ ہم چست و چالاک رہیں۔ تمدّن کے بارہ میں چاہے کچھ ہی خیال
ہو۔ مگر ہم یہ تسلیم کرنے کو مجبور ہیں۔ کہ اس سے بہت سے نقصانات
پہنچ رہے ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ بہت سے آدمی ایسی
زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو قدرت کے اقتضا کی منافی ہے۔ قدرت ہمیں
یہ تحریک کرتی ہے۔ کہ گھر کی چار دیواری سے نکل کر کھلے میدان میں
تازہ اور طراوت بخش ہوا جتنی زیادہ مل سکے۔ کھائیں۔ مگر ہم میں سے
کتنے آدمی اس پر عمل کرتے ہیں؟ ہم کم و بیش شہروں اور قصبوں کے
تنگ بازاروں اور محلوں میں رہتے ہیں۔ جہاں صاف اور صحت در

ہوا کا گزر بہت مشکل ہے۔ اور ہزاروں آدمی بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اپنے طور پر مطالعہ کرنے والا آدمی ایک بڑی ذمہ واری اپنے اوپر عاید کر لیتا ہے۔ جب وہ دِن بھر کام کرکے بعد فرصت کا وقت کتب بینی میں لگاتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ صحت کو مستقل نقصان پہنچ کر اگر ایک مقصد حاصل کیا۔ تو کیا فائدہ ؟ بلاشبہ جوانی کے دِنوں میں آدمی بہت قوی اور زور آور ہوتا ہے۔ اور اگر وہ کسی قسم کے تفکرات اور تکالیف میں الجھا ہوا نہو۔ تو وہ بہت اچھے کام انجام دے سکتا اور اپنی قوت برداشت سے دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال سکتا ہے۔ مگر قدرت اپنے گناہ کو نہ بھولتی ہے اور بخشتی ہے۔ یہ ممکن ہے۔ کہ وہ اپنے قاعدہ کی خلاف ورزی کا جلد جواب طلب نہ کرے۔ مگر جب کرے گی۔ تو اس وقت سخت وقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ خاطر خواہ اس کی تسلی نہیں ہوگی۔ اسواسطے یاد رکھو۔ کہ جب تم کوئی کام کرتے ہو۔ تو اپنی طاقت جسمانی کی موجودہ حالت ہی کو مدِنظر ست رکھو۔ کہ "ہم یہ کرنے پر قادر ہیں اور ہم وہ کام کر سکتے ہیں"۔ بلکہ اسے آیندہ کا پورا خیال رکھنا ہوگا۔ آیا صحت اور قوت طبعی آنے والے زمانہ میں بھی اس کام کرنے کی اجازت دے گی یا نہیں۔ کتنی مدت تک میں اس سے اسی طرح کام لے سکتا ہوں؟ قوت جسمانی بنک کے جمع شدہ روپیہ کیطرح ہے۔ اگر تم متواتر نکالتے رہو۔ اور جمع کچھ مت کرو۔ تو ایک نہ ایک دِن اندوختہ ختم ہو جائے گا۔ چاہے کتنی بڑی رقم کیوں نہ ہو۔ بنک مہتمم تمہارا چک واپس لوٹا دیں گے۔ جو وقت تم ورزش اور تفریح میں لگاتے ہو۔ وہ گویا اس رقم کی مشابہ ہے۔ جو تم گاہے بگاہے بنک میں ڈالتے رہتے ہو۔ تاکہ اندوختہ میں بیشی رہے۔ اس واسطے یہہ نہایت ضروری ہے کہ تم باقاعدگی کے ساتھ ہر روز اور ہر ہفتہ کچھ نہ کچھ صحت کے بنک میں

تھوڑا تھوڑا اندوختہ پہنچاتے رہو +

کس قسم کی ورزش مفید صحت ہے۔اس کا فیصلہ ہر ایک آدمی کو اپنی طبیعت کے مطابق کرنا چاہیئے۔ایک قسم کی ورزش سب کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔تمہیں تجربہ سے معلوم کرلینا چاہیئے۔کہ کونسی کسرت تمہارے لئے سودمند ہے۔ہم صرف اس امر پر زور دینا چاہتے ہیں۔کہ ورزش باقاعدہ ہونی چاہیے +

خوراک گوشت یا سبزی ؟

خوراک کیسی ہونا چاہیئے ؟ یہ سوال بھی ایسا ہی ضروری ہے۔جیسی کسرت کی ضرورت + ایک ایسا زمانہ بھی تھا کہ جب لوگ کھانے پینے کی نوعیت کی بابت کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔صرف ذائقہ اور شکم پری کا خیال کیا جاتا تھا۔شاید چند صدیاں پہلے جب لوگوں کی عام طرز معاشرت بہت سادہ اور ابتدائی تھی۔تو اس وقت خوراک کی ماہیت کا سوال غیر ضروری معلوم ہوتا تھا۔مگر آج کل کی حالت دگرگوں ہے۔عورتوں اور مردوں کو شہروں اور قصبوں کے اندر بند رہنا پڑتا ہے۔اور جید الجلوۃ بہت مشکل ہو گیا ہے۔اس واسطے یہ لازم ٹھیرتا ہے۔کہ غذا کی ترکیب میں ترمیم ہونا چاہیئے۔بعض لوگوں کو اب تک یاد ہوگا۔کہ چند برس پیشتر یہ خیال ظاہر کیا جاتا تھا۔کہ گوشت کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔مگر آج کل ایسے پہلوان موجود ہیں۔جو گوشت نہیں کھاتے۔ہم اس کتاب میں خوراک کی نوعیت پر بحث نہیں کرنا چاہتے۔مبادا سبزی کھانے والوں کی دِل شکنی یا گوشت خوروں کی ناراضی ہو + ہماری رائے یہ ہے۔کہ تجربہ سے جو خوراک مفید اور طاقت دینے والی ثابت ہو۔وہی کھائی جائے۔" لفظ شخصیت " بالعموم انسان کی طبیعت ہی پر عائد ہوتا ہے۔مگر ایک خاص معنی میں اسکی طبعی فطرت بالخصوص معدہ ہی ایک قسم کی شخصیت لئے ہوئے ہے۔جس کی بنا پر یہ ضرب المثل

مشہور ہے۔" جو چیز ایک کی غذا ہے دوسرے کے لئے زہر قاتل ہے"۔ سب سے بہتر ترکیب یہ ہے۔ کہ اپنی خوراک آپ مقرر کرلو جیسی تم زندگی بسر کرتے ہو۔ اس کے واسطے جو چیزیں کارآمد اور نفع آور ہوں۔ وہی کھایا کرو +

حفظان صحت کے علم کی ضرورت

مثل مشہور ہے۔ کہ چالیس برس میں انسان اپنا طبیب آپ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے ؟ یہ ہے۔ کہ اس عمر میں آدمی بہت تجربہ کار اور سمجھدار ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی صحت و توانائی کا خاص اندازہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مدت کی غلطیوں سے جو کھانے پینے میں سرزد ہوتی ہیں۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ میری صحت جسمانی کے واسطے کونسی شے مفید ہے اور کونسی غیر مفید۔ کس قسم کی خوراک میرے جسم کے موافق ہے اور کونسی مضر۔ مگر کوئی وجہ نہیں۔ کہ کیوں عالم شباب میں صحت طبعی کا پورا خیال نہ رکھا جائے۔ اور کیوں جوانی کے زمانہ میں حفظانِ صحت کا علم۔ اور تجربہ احتیاط سے حاصل نہ کیا جائے۔ پیشتر اس کے کہ بے پروائی سے ہاضمہ برباد اور نظامِ عصبی کمزور ہو جائے۔ جب کوئی طالب علم اور نوجوان اپنے واسطے بہترین خوراک مقرر کرنیکے تجربے کرتا ہو۔ تو اسے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے۔ کہ میں دیوانہ ہوں اور فضول باتوں کے تجسس میں اپنا وقت ضائع کرتا ہوں۔ نوجوان ان معمولی باتوں پر تحقیر ظاہر کرتے ہیں۔ اور انہیں لغویات کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر یہی ادنےٰ ادنیٰ باتیں چالیس برس کی عمر میں حقائق کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ جنہیں نظر انداز کرنا دشوار ہے۔ بلکہ وہ عادتوں کے رتبہ پر پہنچ جاتی ہیں۔ اور انسان ان کا غلام بنجاتا ہے +

کھانے پینے کی بابت انجیلی تعلیم

ہم کیا کھائیں گے اور کیا پیئیں گے ؟ انجیل میں اس کی بابت خاص امتناع تصور کیا جاتا ہے۔ مگر یہ صرف

سطحی خیال ہے۔ یہ سوال بڑے ضروری اور ابتدائی ہیں۔ جو شخص مقویات استعمال کرتا ہے۔ اپنے کو ڈاکٹر کے علاج کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ خوب تلخ تجربہ سے جانتا ہے۔ کہ محض چٹور پن کے لئے کھانے پینے سے کیسے بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں + یاد رکھو۔ کہ ذائقہ مفید خوراک کی طرف ہدایت نہیں کر سکتا + طالب علم کو حسب ذیل امور سے ہدایت پذیر ہونا چاہئے:۔ سادہ خوراکیں اپنے واسطے منتخب کرو۔ مقررہ وقت پر کھانا کھاؤ۔ کھانے کے بعد آدھ گھنٹے تک سخت دماغی کام مت کرو +

پڑھنے کا وقت

مگر صحت کے متعلق اور بہت سی باتیں ہیں۔ جن کا جاننا طلبا کے لئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ وہ قدم قدم پر غلطیاں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دن میں کتنے گھنٹے پڑھنا چاہئے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جرمنی کے طلبا سولہ گھنٹہ تک کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ باوجود اس سخت مصروفیت کے وہ کثرت سے شراب اور تمباکو پینے کے لئے بھی وقت نکال سکتے ہیں۔ مگر یہ صرف گپ معلوم ہوتی ہے۔ مطالعہ کے وقت کا سوال صرف شخصی ہے۔ پانچ گھنٹے روز بہت آدمی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر وہ اس سے زیادہ وقت تک پڑھتے ہیں۔ تو سر چکرا جاتا ہے اور پریشانیٔ دماغ واقع ہو جاتی ہے۔ مگر ایسے آدمی بھی بہت ہیں۔ جو دن بھر میں دس گھنٹے بلا تھکان کام کر سکتے ہیں +

مگر اس کا دارومدار دماغی کام کی ماہیت پر بھی ہے۔ جو آدمی ریاضیات کی چھان بین کرتا ہے۔ وہ تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ مگر جو آدمی کسی امتحان کی تیاری کرتا ہے۔ وہ گھنٹہ گھنٹہ کے بعد کتاب تبدیل کر کے زیادہ دیر تک کام کر سکتا ہے۔ جو آدمی دن بھر دفتر میں کام کرتا ہے اور صرف شام کو اسے دو تین گھنٹے کی مہلت ملجاتی ہے۔ اس کے واسطے ہم کوئی ہدایت نہیں دے سکتے۔ اسے خود فیصلہ کرنا چاہئے۔ کہ کتنی دیر تک پڑھنا مناسب ہے۔ دن بھر دوکان

یا بنک یا دفتر یا کسی اور جگہ کام کرنا۔ پھر گھر میں جا کر کتابوں کا مطالعہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بڑی ہمت اور قوت جسمانی درکار ہے۔ ایسے آدمی کے دل میں رات کو دن کی طرح کام کرنے کا خیال گاہے بگاہے پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اور یہ بات بڑی خطرناک ہے۔ گو بہت سے اہلِ قلم اور محققانِ سائنس آدھی رات کو کام کرنا بہت فائدہ مند سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہر ایک آدمی کو اپنا قاعدہ اور دستور آپ مقرر کر لینا چاہئے۔ آج کل لیمپ کتنا ہے شمع ہی کی روشنی میں پڑھنا سب سے زیادہ مفید ہے۔ مگر بعض لوگ دن کو پڑھنا بہت اچھا جانتے ہیں +

بینائی کی حفاظت کرو

بینائی کی حفاظت کے سوال سے ہر طالب علم کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جس قدر کم وہ لمپ کی روشنی میں پڑھے۔ اُسی قدر اس کی آنکھوں کے لئے سود مند ہے۔ مصنوعی روشنی میں بیٹھ کر پڑھنا یا آدھی رات کو دماغی کام کرنا اور اسے بہت ہی قابل تعریف قرار دینا سراسر دھوکہ ہے۔ رات آرام کرنے کا وقت ہے اگر کوئی آدمی یا طالب علم دن کے وقت تمام کام پورا نہیں کر سکتا تو اسے رات کو پڑھ کر اپنی بینائی اور صحت خراب نہیں کرنا چاہیئے۔ اس مسئلہ کے ضمن میں یہ بتانا بھی ضروری ہے۔ کہ لکھتے پڑھتے وقت کس طرح بیٹھنا چاہیئے۔ جب لمپ جلا کر رات کو کام کرنا ضروری ٹھیرے تو اس کی روشنی بائیں کندھے سے گزر کر کتاب یا کاغذ پر آنی چاہیئے۔ گیا معنے کہ لمپ کی طرف پشت ہونی چاہیئے +

جن طلبا کی نظر کمزور ہو۔ اُن کے لئے آنکھوں پر کپڑا ڈال لینا مفید ہے۔ تاکہ چمک سے بینائی کو ضرر نہ پہنچ سکے۔ اس بات میں جتنی احتیاط بھی کی جائے کم ہے۔ جب تک کسی قسم کی تکلیف آنکھوں کو محسوس نہ ہو۔ لوگ ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیتے رہتے ہیں۔ مگر جب وقت

گزر جاتا ہے اور تکلیف لاحق ہو جاتی ہے۔ تو پھر آنکھوں کی حفاظت کی پیشبندی کی جاتی ہے۔ مگر بے سود۔ اس بات کو کبھی مت بھولو۔ کہ جب ذرا بھی تکلیف محسوس ہو۔ تو کسی آنکھوں کے معالج اور چشم ساز سے مشورہ کرو +

پڑھتے وقت کس طرح بیٹھنا چاہیئے

اب یہ ایک امر مسلمہ ہے۔ کہ مطالعہ میز سے ہونا چاہیئے اور سر آگے کو جھکا ہوا ہونا چاہیئے۔ اور کندھے ابھرے ہوں۔ مگر یہ خیال غلط ہے + ایک آدمی جو ستاروں کی نقل وحرکت کی دیکھ بھال میں مصروف ہو۔ وہ مطالعہ میں اسی طرح مصروف ہے۔ جیسے خوردبین کے وسیلہ ننھے ننھے جانداروں کے خواص و عادات معلوم کرنے یا کسی علمی کتاب کا پڑھنے والا ہوتا ہے۔ مگر بڑی تعداد طلبا کی کتابیں پڑھنی ہے اور پڑھنے وقت جھکنا پڑتا ہے اس واسطے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کا ذکر کیا جائے + نوّے فیصدی لڑکے پڑھتے وقت آگے کو جھکتے ہیں۔ جس سے جسم کے اوپر کے حصّہ پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور چھاتی اور کندھے اینچ جاتے ہیں۔ جو آدمی اپنی صحت و توانائی کا فکر مند ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ کھڑا ہو کر پڑھے۔ ہم ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں جس نے دیوار میں ڈسک لگا رکھی تھی۔ اس پر لیمپ رکھ کر پڑھتا تھا۔ وہ تھوڑا سا پڑھتا اور پھر کمرہ میں ٹہلتا اور آموختہ پر غور کرتا + مگر بہتر ترکیب یہ ہے۔ کہ ایک اونچی میز چار یا پانچ فٹ اپنی قامت کے مناسب سے بنوائی جائے اس پر لکھنا پڑھنا ہونا چاہیئے۔ اس کے اوپر ضروری کتابیں رکھ لینا چاہیئے۔ گو شروع میں کچھ تکلیف ہوگی۔ مگر رفتہ رفتہ اس کے عادی ہو جاؤ گے +

کتنا سونا چاہیئے

نیند اور قلت نیند کی بابت بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ مگر یہ سوال بہت سادہ ہے۔ خوراک کی طرح اس کا تصفیہ بھی ہر شخص کو

اپنی صحت اور توانائی کے مطابق کرنا چاہیئے۔ جان ویزلی بانی فرقہ میتھوڈسٹ کہا کرتے تھے۔ لوگوں کو سونے کے وقت میں تخفیف کرنا چاہیئے۔ چونکہ وہ خود تھوڑا سوتے تھے۔ اس واسطے لوگوں کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ مگر ہمارے قوٰے ظاہری اور باطنی پر ماں باپ کی طبائع اور عادات اور گرد و پیش کے حالات کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ گو بعض لوگ پانچ گھنٹے سو کر توانا و تندرست رہتے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ آٹھ گھنٹے سے کم سو کر اپنی صحت خراب کر لیتے ہیں۔ جس وقت کسی طالب علم کو قلت نیند کی شکایت لاحق ہو۔ فوراً پڑھنا ترک کر کے کھلی اور تازہ ہوا میں جتنی دیر رہے۔ کم ہے۔ اگر تفریح کا وقت کسی اور کام میں لگایا جائے۔ یا معدہ میں خرابی ہو۔ یا جب نیند آ جائے۔ تو طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے کام کرتے رہو تو نیند نہ آنے کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے ؎

عادات ذہنی

ڈبلیو۔ ای۔ چیننگ صاحب کہتے ہیں۔ "دنیا کا کام بالآخر عقل و توسط سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ پس جتنی زیادہ طاقت دماغ اور ذہن میں ہو گی اسی قدر زیادہ کام دنیا کا انجام پائے گا" ؎

(۱) مضمون کی تبدیلی | اگر دماغی محنت بچانا چاہو۔ تو پڑھتے وقت ٹائم ٹیبل پر پورا عملدرآمد ہونا چاہیئے۔ جس کا تعین "تبدل مشغلہ میں راحت ہے" کے اصول پر مبنی ہے۔ ہر روز ریاضیات یا سائینس یا السنہ کا مطالعہ کرنے سے دماغ کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ جیسا تجربہ سے ثابت ہے ؎

اپنے کام کو تقسیم کر لینا چاہیئے۔ اور ایک وقت ایک کام میں صرف کیا جائے۔ اس کے واسطے خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ ٹائم ٹیبل کی ترتیب کے واسطے کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے جسے آدمی ملحوظ رکھ سکتا ہے۔ جتنے طریقے اس کے متعلق ہیں وہ ذاتی فائدہ اور سہولت کی بنا پر وضع ہوتے ہیں جس میں تمہارا فائدہ ہو۔ اسے کام میں لاؤ۔ سب سے بڑی قابلِ غور بات یہ ہے

کہ وقت کم صرف ہو۔ اور فائدہ نسبتاً زیادہ ہو۔ اور دوسرا امر یہ ضروری ہے۔ کہ مضامین کی ترتیب ایسے ڈھنگ پر ہو۔ کہ وہ ایک ہی نوع کے نہ ہوں۔ بلکہ مختلف اور متضاد ہوں جب ایک کے پڑھنے سے دماغ پریشان ہو جائے تو دوسرا شروع کر دو۔ جو اس سے بالکل جداگانہ ماہیت کا ہو۔ کوئی آدمی اپنا بیش قیمت وقت ضائع کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور نہ ہی ایک مضمون کو لگاتار کئی دن تک مطالعہ کر سکتا ہے۔ اور پھر ایک ماہ تک اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو۔ اس کا نام کفایت شعاری نہیں ہے۔ کہ ایک مضمون کو چند روز تک پڑھتے رہے اور پھر ہفتوں تک اس کی خبر ہی نہ لی۔ پڑھا لکھا سب چوپٹ ہو گیا۔ تبدیلِ مضمون بہت ضروری امر ہے۔ کیونکہ اس سے دماغ کو آرام حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک مضمون کو کچھ دیر پڑھ کر دوسرے کی طرف رجوع ہونا بہت مفید ہے۔ جب ادق مضمون سے طبیعت اُکتا جائے۔ تو آسان پڑھنا شروع کر دو۔ جب ریاضیات سے گھبراؤ۔ تو نباتات وغیرہ کے خواص معلوم کرنے میں لگ جاؤ۔ جس سے تفریح کے علاوہ دماغ کو بھی آرام حاصل ہو جاتا ہے۔ پس یہی بات قابلِ غور ہے۔ کہ مضامین کی ترتیب بڑی احتیاط سے کی جائے۔ اور یہ کہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں ہوں ؛

تھوڑے ہی عرصہ میں ہر ایک آدمی کو وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن پر اس کے دماغ کی تروتازگی موقوف ہے۔ اس واسطے ہم تفصیل کے ساتھ نہیں بتائینگے کہ مضمون کی تبدیلی سے کیا کیا فائدے نکلتے ہیں۔ مگر بعض دفعہ مشہور آدمیوں کے اقوال سے ایک مختلف قسم کا نتیجہ نکلتا ہے مثلاً یہ خیال ایڈم کلارک سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ تم ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ ایک سے زیادہ لوہے بھٹی میں ڈال کر ان سب کی خبر گیری نہیں کر سکتے۔ بعض آدمی ایک مضمون کا لگاتار مطالعہ نہیں کر سکتے لیکن گاہے بگاہے اس پر غور کرنے سے بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر اسے ہر گز کوئی دستور العمل نہیں بنا سکتا ؛

(۲) جو کچھ کرو۔ اُسے سمجھ کر کرو

اس قولِ زرّیں میں جو امر نہاں ہے اس کی وجہ سے اس پر زیادہ زور ڈالنا بےسود ہے۔ مگر جو لوگ کئی قسم کے مضامین کا مطالعہ اور طرح طرح کی دقتوں سے دوچار ہو چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ یہ نصیحت بہت ہی بیش قیمت ہے۔ ہر قسم کے ضبط کی کنجی اس میں موجود ہے۔ آدمی کا علم اس وجہ سے ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ کہ وہ اہم اور ضروری باتوں اور دلیلوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور جلدی سے نتائج اخذ کر لیتا ہے۔ اور انکے درمیان غلط تعلق قائم کر دیتا ہے۔ اقلیدس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ علم متعلقہ کا ادراک اس کے وسیلہ سے بتدریج حاصل ہوتا ہے۔ ریاضی صداقت کی بنیاد۔ عمارت کی طرح۔ اصول موضوعہ پر قائم ہو کر کامل صورت اختیار کرتی ہے۔ جو لوگ نقص یادداشت کے شاکی ہیں۔ وہ ناقص اور غیر مفید طریقوں سے اپنے مضامین یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس بات کو بالکل نہیں سمجھتے۔ کہ علم آہستہ آہستہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ قلانچوں اور زقندوں سے علمی باتیں بہم نہیں پہنچتی ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا ارادہ بہت جلد قائم ہو جاتا ہے۔ مگر سمجھ اس پھرتی اور تیزی سے کام نہیں کرتی۔ اور یادداشت بہت کمزور ہونے کے سبب سے پڑھا لکھا قائم نہیں رہتا۔ اس واسطے یہ لازم ٹھیرتا ہے۔ کہ آہستہ آہستہ چلو۔ ایک وقت میں ایک ہی قدم اٹھاؤ چھلانگ مت مارو۔ شائد یہ نامعقول صلاح معلوم ہو گی۔ مگر اصل بات یہہ ہے۔ کہ استدلال کے ایک مرحلہ اور نکتہ کو سمجھو اور اس سلسلہ کے تمام واقعات کو یکے بعد دیگرے اخذ کرلو۔

جب واقعات مشکوک ہوں۔ تو اُن کی تصدیق کر لو۔ پھر ان سے نتائج وضع کرو۔ اس کی بابت ہربرٹ سپنسر نے اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھا ہے۔ کہ مجھے بیقاعدگی سے یاد کرنے سے نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔

فلسفۂ ترکیبی (Syhitic Philosophy) کے مصنف (ہربرٹ سپنسر) نے پولوس رسول سے ایک ایسا مسئلہ منسوب کیا تھا۔ جو اخلاق

کے برعکس تھا۔ مگر جب اس غلطی کا کھوج لگایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ فلاسفر موصوف کے ایک منشی کے قلم کی لغزش ہے +

(۳) نظر ثانی کے واسطے وقت مقرر کرو۔

یہ ایک بہت سادہ قاعدہ ہے۔ مگر بہت مفید اور کارآمد ہے۔ مصور ہر وقت اُس کپڑے کے قریب نہیں بیٹھا رہتا۔ جس پر وہ تصویر بناتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی اُٹھکر چند قدم پیچھے چلا جاتا ہے اور دیکھتا ہے۔ کہ تصویر کیسی بنی۔ طالب علم کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ یہ تو درست ہے کہ باریک باتوں سے اغماض نہ کیا جائے۔ ورنہ واقعات اور دلائل کی تفریق و تقسیم میں کامیاب ہونا دشوار ہے۔ مگر ترکیب بھی ویسی ضروری ہے جیسی نثر۔ طالب علم کو واقعات کی تمام تفصیلوں سے پورے طور پر واقف ہونا چاہیئے۔ تاکہ اسے انہیں طبقوں میں تقسیم کرنیکی صلاحیت اور مہارت ہو جائے۔ ہم اگلے حصّہ میں اِس پر تفصیلی بحث کرینگے۔ یہاں صرف اس بات پر زور ڈالا جاتا ہے۔ کہ جو کچھ پہلے پڑھا گیا ہو۔ اسے یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔ اور اس کی بہترین ترکیب یہ ہے۔ کہ پڑھی کتاب کو بار بار دُہراتے رہو۔ یہ آسان اور خوشگوار کام نہیں ہے۔ ایک کتاب کو پھر پڑھنا بہت دوبھر تو معلوم ہوتا ہے۔ مگر جو آدمی علم کا شائق ہے۔ وہ بلا دقت اس کی نظر ثانی کر سکتا ہے۔ طلبا تجربہ سے جانتے ہیں کہ اگر ایک ہفتے تک سبق دوہرایا نہ جائے۔ تو آدھے کے قریب بھول جاتا ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ جو بات یادداشت سے اُتر جاتی ہے وہ فہم سے بھی جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ اگر پڑھی ہوئی بات سمجھ میں نہ ہو۔ تو نئی بات کس طرح جلد سمجھ میں آ سکتی ہے +

(۴) ایک مضمون میں مہارت پیدا کرنا

کہا جاتا ہے۔ کہ ایک کتاب پر عبور حاصل کر لینے سے آدمی پڑھ جاتا ہے۔ چاہے یہ درست ہو یا غلط۔ مگر اس میں سچائی بہت کچھ ہے۔ کسی زبان میں اتنی مہارت پیدا کرنا کہ بلا تکان لکھنے پڑھنے اور بولنے کی لیاقت حاصل ہو جائے۔ ایک بہت قابلِ قدر خوبی ہے۔ جس کے حصول

ی کوشش کرنا مفید ہے۔ اس لیاقت کی وجہ سے وہ اس زبان کا اُستاد سمجھا
جاتا ہے۔ کسی زبان یا علم پر عبور حاصل کرنے سے جو عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔
ان کے ماسوا انسان کو ذاتی خوشی اس امر سے حاصل ہوتی ہے۔ کہ ہیں علم کی
ایک شاخ پر حاوی ہوں۔ چاہے کسی فن ہیں اُستادانہ مہارت پیدا کی جائے۔
وہ قابل تعریف ہے۔ اینٹ بنانے والا۔ اور لوہار جو اپنے فن ہیں اُستاد ہیں
عزت کے مستحق ہیں۔ گو لوگ عام طور پر انہیں خاص اشخاص ہیں شمار نہیں
کرتے۔ اور نہ انہیں ماہروں کے زمرہ ہیں رکھتے ہیں۔ گو وہ اپنے ہُنر کی وجہ
سے بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں۔ اور لوگ ان کی قدر کرتے ہیں +

اس وجہ سے نوجوان طلبا کو جن کے سامنے بہت سے مضامین ہیں اس
امر کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ ایک مضمون کو اپنا پسندیدہ مضمون بنا
لیں۔ اور خصوصیت سے اُس کا مطالعہ کریں۔ ہم کوئی قاعدہ مقرر نہیں کر سکتے
جس پر عمل پیرا ہو کر وہ کسی مضمون کو اپنا خاص مضمون بنالے۔ اس باب
میں اپنی طبیعت کے میلان اور مناسبت کو لینا چاہیئے۔ البتہ اگر اس کا دل
ایسے مضمون کی طرف راغب ہو۔ جس پر حاوی ہونے سے اپنی قوم اور اپنی
ذات کو فائدہ پہنچے۔ تو اس کی طرف شوق سے متوجہ ہونا چاہیئے +

(۹) تربیت حافظہ | نسیان کا علاج کیا ہے ؟ اس کا علاج ضرور ہونا چاہیئے۔
چونکہ یہ ایک نہایت ضروری اور قابل قدر خوبی ہے۔ اس کے بغیر اور اک اور
ذہن بیکار ہے۔ اگر ہم یہ یاد نہیں رکھ سکتے۔ کہ جو واقعات زندگی ہیں پیش آئے
ہیں۔ ان کا ہماری موجودہ حالت سے کیا تعلق ہے۔ تو یہ بڑے افسوس کی بات
ہے۔ اخبارات ہیں ایسے لوگوں کی خود فراموشی کے چٹکلے شائع ہوتے رہتے
ہیں۔ جو اپنا نام اور مسکن بھول جاتے ہیں۔ اس قسم کے آدمی فاتر العقلوں سے
کچھ ہی بہتر ہوتے ہیں +

یادداشت کو تازہ اور مضبوط بنانے کا ایک بھید یہ ہے۔ کہ اپنے کام کو
دل سے پیار کرو۔ خاص دلکشی ہونا چاہیئے۔ جس سے دل ہر وقت اس کام کی

طرف رجوع رہے۔ اپنی کتابوں کو دِل میں رکھو۔ خواب بھی دیکھو تو انہی کے۔ اُنکے عاشق بنو۔ پھر نسیان کی ہوا تمہیں کبھی نہیں ستائیگی + شاید تم کہو گے آیا یہ قاعدہ طبعی کمزور یادداشت پر بھی عائد ہو سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ بیشک عائد ہوتا ہے۔ حافظوں کی کمزوری کے اسباب کی تحقیق و تفتیش سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سب سے بڑا سبب اپنے مقررہ کام سے دلچسپی نہ ہونا۔ اور دل لگا کر کام نہ کرنا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں۔ کہ انہیں اپنے پیشہ کی وجہ سے اپنے علم کو ترتیب اور ترکیب سے یاد رکھنا پڑتا ہے مثلاً ڈاکٹر۔ وکیل۔ بیرسٹر وغیرہ۔ ڈاکٹر کو ہزاروں واقعات سے سابقہ پڑتا ہے۔ جو اس کے پیشہ کی کامیابی کے واسطے ضروری ہیں۔ یہی حال وکیلوں کا ہے۔ جنہیں سینکڑوں مقدمات اور ان کے واقعات سے واسطہ پڑتا ہے + طالب علم کے واسطے اتنی ضرورت ہے کہ وہ اپنے آموختہ سے عندالضرورت کام لے سکے۔ اور دماغ پر غیر معمولی زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے۔ مگر اپنی آسانی کے واسطے ایک ایسا طریقۂ تربیت دماغ ضروری ہے جس سے ذہن اپنے علم کی تفصیلوں کو ایسے طور پر ترتیب دے سکتا ہے جسکی وجہ سے جب ہم چاہیں۔ اپنی یادداشت سے ضرورت کی باتیں پیدا کرلیں۔ اس مقصد سے بعض کتابوں کا بھی مطالعہ کرنا اچھا ہے[لے] +

(ہ) اپنے علم کو متحد کرلو

ہر قسم کے واقعات کا اجتماع جو کتب بینی۔ غور و فکر۔ بات چیت۔ اور تجربہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ زندگی کی ایک دِلکشی اور دلچسپی کا موجب ہوتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ لطف اور خوشی اس امر سے پیدا ہوتی ہے۔ کہ ان کے تعلق درمیانی کو معلوم کیا جائے۔ اور پھر انہیں متحد النوع قرار دیا جائے۔ اس ترکیب سے حافظہ کی بڑی تربیت ہوتی ہے۔ اور یہی ایک ایسا

لے۔ روم کے مشہور فصیح الکلام مدبر سسرو کا یہ قول ہے۔ اگر تم اپنی یادداشت بڑھانا چاہتے ہو۔ تو تمہارے پیشہ یا کام کے متعلق جو امور دن کے وقت وقوع میں آئے ہوں۔ سونے سے پیشتر چارپائی پر بیٹھ کر دل میں دو چار مرتبہ دہراؤ + یونان کے جادو بیان قادر الکلام ڈماستھنز کا بھی یہی طریقہ تھا۔ مترجم نے اس طریقہ کو بہت مفید پایا۔ اور اس کے ساتھ توجہ پر بھی زور دینا ضروری ہے۔ اگر توجہ سے یاد نہ کرو۔ تو کچھ نہیں ہو سکتا + مترجم

طریقہ ہے۔جس سے زندگی کے واقعات کی صحیح صحیح تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر روزمرہ کے واقعات اور کاروبار بڑی عجلت سے ہوتے چلے جاتے ہیں۔کون ایسا بیفکر اور بیکار ہے جو بیٹھا تخیل دوڑائے + ہر قسم کے واقعات کو ایک جگہ رکھ کر ان پر استدلال کرنا اور ان سے نتائج اخذ کرنا فلاسفر یا مؤرخ کا کام ہے۔ معمولی طالب علم کو ان معاملات سے کیا سروکار ؟ مگر اصل یہ ہے۔کہ یہ باتیں اس کے بڑے کام کی ہیں۔اس طریقہ کی عمل پیرائی سے اسے اتنا فائدہ پہنچتا ہے جتنا اوروں کو۔جو علم کے متلاشی ہیں۔صرف اتنا فرق ہے۔کہ اس کے مطالعہ کی حد بہت محدود ہے۔مگر تو بھی اس کے واسطے یہ واجب ہے۔کہ وہ اپنے مطالعۂ سائینس کو نظم اور تاریخ سے موافق اور متحد کرے۔اور پھر اقتصادات کو جغرافیۂ طبعی سے متعلق کرنے کی کوشش کرے۔یعنی یہ دیکھے۔کہ حالات طبعی کا ملک کی مالی اور پولیٹیکل حالت پر کیا اثر پڑتا ہے ہم اس کا ذکر زیادہ صراحت سے کرتے ہیں۔جغرافیہ کی مختلف صورتوں کا مطالعہ کرنا۔مثلاً شہروں کا عرض بلد اور طول بلد۔جاپان کی اشیاء درآمد و برآمد۔اور جنوبی امریکہ کی طرز حکومت۔ایک بات ہے۔اور ان ملکوں کی تاریخ مطالعہ کرنا دوسری بات ہے۔مثلاً یونان کے جزیرہ نما میں واقعات کی رو کس طرح پیدا ہوتی رہی اور یونانی تمدن کا روم پر کس طرح اثر پڑا۔وغیرہ۔مگر سب سے بڑی بات یہ ہے۔کہ غور کیا جائے۔کہ طبعی حالات کا ملکی اور تجارتی ترقی سے کیا لگاؤ ہے۔جیسا فریمین کی کتاب "میتھڈ آف ہسٹاریکل اسٹڈی" سے عیاں ہے + ہم یہ نہیں کہتے۔کہ ایک خاص قسم کے واقعات کا دوسری قسم کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ہم اس بات پر زور دیتے ہیں۔کہ ان واقعات کی تہ میں جو یگانگت اور یکرنگی پائی جاتی ہے۔اسے معلوم کرے۔جو سرسری نظر میں دکھائی نہیں دیتی +

(۷) تخیل کی تربیت قوت عقلیہ کی نشو و نما کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔اور جو قاعدے مقرر ہیں۔ان کی بابت بڑی دقت یہ ہے۔کہ وہ کماحقہ

سمجھ میں نہیں آتے۔ دن بھر کی پڑھائی کی تقسیم اور ترتیب یہ ہے۔ کہ صبح کو تاریخ اور جغرافیہ اور سہ پہر کو ریاضیات اور فرنچ زبان اور اس کے ساتھ خاص وقفہ میں حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ جغرافیہ میں جاپان کے حالات یاد کرتے ہو اور تاریخ (انگلستان) میں معرکہ ہائے روزز" اور فرنچ زبان میں بیقاعدہ فعل سیکھتے ہو۔ اور حساب میں شرح فیصدی بتائی جاتی ہے۔ اور تمام پڑھائی انہی مضامین پر ختم ہو جاتی ہے۔ تم پوچھو گے۔ اس طریق تعلیم سے تخیل کس طرح نمود حاصل کر سکتا ہے؟ اور فرنچ زبان کے بے قاعدہ فعلوں کا جاپان کی تجارت اور تاریخ سے کیا واسطہ ہے؟ یاد رکھو۔ کہ علم کی ہر شاخ میں کوئی خیالی تعلق ضروری نہیں۔ اور نہ دو قسم کے واقعات اور حقائق کے مابین کوئی واسطہ ضروری ہوتا ہے تخیل کی تربیت کا طریقہ یہ ہے۔ کہ نئے نئے سوالات پوچھے جائیں۔ اور طرح طرح کے قیاسات قائم کئے جائیں۔ مثلاً ۱۶۶۶ء میں سر آئزک نیوٹن نے یہ تصور کیا۔ کہ کشش ثقل عالمگیر ہے۔ مگر عام خیال کی رو سے یہ صرف محدود اور مقامی سمجھی جاتی تھی۔ لیکن ایک روز" وہ اپنے باغ میں تن تنہا تھا۔ اس خیال کشش کی قوت کی طرف خصوصیت سے رجوع ہو گیا۔ وہ دل میں خیال کرنے لگا۔ کہ مرکز زمین سے چاہے ہم کتنے بلند چڑھ جائیں بلند ترین عمارتوں اور اونچے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی یہ قوت اپنے اثر سے محروم نہیں ہوتی۔ اس واسطے اس نے استدلال سے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ یہ طاقت بہت ہی وسیع اور دُور دُور تک اثر ڈالنے والی ہے۔ چاند میں کیوں یہ قوت موجود نہیں ہو سکتی؟ اگر وہاں ہے۔ تو کیوں اس کی حرکت اس کشش سے متاثر نہیں ہوتی۔ کیا تعجب ہے۔ کہ چاند اپنے محور پر اسی کی طفیل سے[۱] چلتا ہو" جب تم خاندان یارک اور لنکاسٹر کے جھگڑوں کی تاریخیں یاد کر لو۔ تو پھر سوالات پوچھو۔ جو خاص تاریخی وسعت لئے ہوئے ہوں۔ جغرافیہ کا تاریخ پر

[۱] "آرٹ آف سائنٹفک ڈس کوری" مصنفہ گور۔ "گین آف لائٹ" مصنفہ کپ لینڈ۔ میں بھی ایک فصل قابل قدر ہے۔

کیا اثر ہوتا ہے ؟ اور جزیرائی حکومتوں نے اپنے ہاں کس طرح یگانگت اور اتحاد قائم کیا ہے ؟ کیا جاپان معرکہ ہائے روزمرہ کے مقابلہ میں کوئی واقعہ پیش کر سکتا ہے ۔کیا جزیرہ میں رہنے سے قومی خصائل دُنیا کے سب حصّوں میں ایک جیسے ہی ہوتے ہیں ؟ اس قسم کے سوالات جبلّی اشتیاق تجسّس کی وجہ سے بہت پیدا ہوتے ہیں ۔ضروری بات یہ ہے ۔کہ اپنا نظریہ یا خاص قیاس قائم کرو ۔اور اس میں تخیّل سے کام لینا پڑتا ہے ۔فرض کرو ۔تم نے یہ خیال قائم کیا ہے ۔ ”جزیرہ کے رہنے والوں میں جمہوریت پیدا ہونا امر لازمی ہے“۔ ہو سکتا ہے خوب سوچنے اور اس کے ہر پہلو پر نظر ڈالنے سے یہ خیال غلط ثابت ہو ۔مگر اس سے ذہن کو بڑی تربیت حاصل ہوتی ہے ۔کیونکہ اس خیال کو صحیح اور معقول ثابت کرنے کے لئے معلومات اور واقعات کو جمع ۔ان پر استدلال اور انہیں مختلف طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ ڈاروِن کے سوانحی حالات اور خطوط میں لکھا ہے ۔کہ وہ ہر مسئلہ کی بابت ایک نظریہ قائم کیا کرتا تھا ۔اور ڈے ویل کہتا ہے ۔”علم میں خاطر خواہ ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی ۔جب تک بڑے حوصلہ اور دلیری کے ساتھ قیاس کو ہر طرف نہ دوڑایا جائے“

نئے نئے حقائق کے اکتشاف کے واسطے بلاشبہ دماغ کی ضرورت ہے ۔جو بڑی احتیاط اور غور سے جو بات سامنے آئے سوچے اور اس پر خوب خیال کرے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری ہے ایسا اعلیٰ ذہن جیسے نئی نئی باتیں سوجھتی ہیں ۔ایجاد کیا ہے ؟ یہ ہے ۔کہ جو بات ذہن کے سامنے آتی ہے ۔عقل اسکے تمام امکانات کو فوراً بھانپ لیتی ہے ۔اور ان میں سے جو کام کی بات ہوتی ہے ۔اسے اخذ کر لیا جاتا ہے ۔یہ درست ہے ۔کہ جب ہم تمام نامعقول مفروضات کو مسترد کر دیتے ہیں ۔تو بسا اوقات انہیں بھول جاتے ہیں ۔صرف چند ہی آدمی ایسے ہوتے ہیں ۔جو ان مسترد قیاسات پر بار بار غور کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔۔۔مگر جو لوگ کوئی اختراع یا ایجاد کرتے ہیں ۔انہیں ایک ایک واقفیت کے لئے بہت سی غلطیوں پر استدلال کرنا پڑتا ہے ۔ہر ایک مسلّمہ اصول ان اصول

میں سے ہے۔ جو پہلے مسترد ہو چکے ہیں[1]"۔ نظریہ قائم کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ چاہے یہ غلط ہو یا صحیح۔ مگر طالب علم کو اپنے کام میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس سے مشاہدہ کی تحریک ہوتی ہے۔ اور اس کا مطالعہ اور تخیل ایک ضابطہ کے تحت میں آجاتا ہے۔ ڈارون جب جہد الحیوٰۃ (Struggle for Existence) پر غور کر رہا تھا۔ تو اسے یہ معلوم ہوا۔ کہ "ان حالات میں وہی انواع قائم رہ سکتی ہیں۔ جنہیں قدرت نے خاص استعداد زیست عطا کر رکھی ہے اور جو اس سے محروم ہیں۔ وہ برباد ہو جاتی ہیں۔ اس کا انجام یہ ہو گا۔ کہ ایک نئی نوع وجود میں آتی ہے۔ اس سے میرے ہاتھ ایک ایسا نظریہ لگ گیا۔ جسے سامنے رکھ کر میں کام کر سکتا تھا"۔ یاد رکھو۔ کہ یہ نظریہ آخری نہ تھا۔ بلکہ ایسا تھا۔ کہ جس سے اسے وسیع مشاہدہ اور تجربہ کا خاص خیال پیدا ہو گیا۔

اپنے طور پر غور کرنے کی ضرورت

طالب علم کو حصول علم ہی اپنا مقصد نہیں بنانا چاہیئے۔ یعنی جو کچھ بڑے بڑے دماغ والوں نے لکھا اور جو انہوں نے دریافت کیا ہے۔ اسی سے واقفیت پیدا کرنے پر کفایت نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اسے اپنے طور پر گہری نظر سے دیکھنا اور سوچنا چاہیئے۔ ان باتوں پر قیاس دوڑانا چاہیئے جو اوروں کے مشاہدہ سے بالاتر رہ گئی ہوں۔ آئی۔ آے۔ تھامسن کہتا ہے۔ "قدرت کے قوانین پر فرداً فرداً غور کرنے سے اور اس کے بھیدوں کو فاش کرنے کی کوشش سے اس کا سلسلہ ختم نہیں ہو گیا ہے۔ اس پر بحیثیت کل غور کرنا باقی ہے۔ یعنی تخیل سے اس کے ڈھانچہ پر نظر ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعض بھید خردبین سے ایسے نظر نہیں آتے۔ جیسے شاعر کی آنکھ کو دکھائی دیتے ہیں"۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کتب بین عوام کے سامنے یہ خیال پیش کیا جا سکتا ہے؟۔ اور کیا وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ کیوں نہیں اٹھا سکتے؟ اگر یہ کہا جائے۔ کہ صرف اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے لوگ ہی اس قابل ہیں۔ کہ بنی آدم کی ترقی میں اضافہ کر سکیں۔ تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں۔ کہ

[1] "فلاسفی آف ان ڈک ٹو سائنسز"۔ فلسفہ علوم استقرائیہ۔

اختراعات اور ایجادات اور اکتشافات کی تاریخ کی شہادت اس خیال کے سراسر خلاف ہے۔اگر بالفرض یہ بھی غلط ہو۔تو اور بھی زیادہ ضروری ہے۔کہ علمی تعلیم دیجائے۔چاہے وہ کتنی محدود کیوں نہ ہو۔اس وجہ سے طالب علم کو کتاب رٹنے والا ہی نہیں بننا چاہیئے۔اسے سوال پوچھنا اور اپنا نظریہ قائم کرنا چاہیئے +

جغرافیہ بتاتا ہے کہ "گلف اسٹریم" کسے کہتے ہیں۔کہاں پیدا ہوتی اور کدھر جاتی ہے اور مغربی یورپ پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے وغیرہ۔جغرافیہ بنانے والا اس کی ابتدا کی بابت ایک دو باتیں بتا دیتا ہے۔اور بس۔مگر طالبعلم کا اشتیاقِ تجسس چند سوالات کی تحریک کرتا ہے۔وہ خیال کرتا ہے۔کہ گلف اسٹریم کا آتش فشانی جزیروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔جن کا مرکز جزیرہ مارٹ نیک (جزائر غرب الہند) میں ہے +

ہربرٹ سپنسر کے ذہن کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی۔کہ وہ ایسی باتوں میں مشابہت پاتا تھا۔جو عامیانہ ذہن کو بالکل نہیں معلوم ہو سکتی۔مگر فلسفۂ ترکیبی کے قیام میں اس نے صرف اسی طاقت سے کام نہیں لیا تھا کیونکہ یہ قوت عموماً تفصیلی بحثوں میں اُلجھی رہتی ہے۔اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حقائق کی اہمیت معلوم کرنے کا مادہ بھی ہو۔اور یہ ہربرٹ سپنسر کے دماغ میں غیر معمولی مقدار میں موجود تھا+ وہ کہتا ہے۔"اگر واقعات معلوم کے شمار سے اندازہ کیا جائے۔تو میری واقفیت سطحی سمجھی جائیگی۔لیکن اگر حقائق کی خوبی اور اہمیت کا خیال کیا جائے۔تو معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے+ ایک دوست نے جسے نباتات کے علم پر وسیع عبور حاصل تھا۔ایک دفعہ مجھ سے کہا۔کہ اگر پودوں کے اعضا۔رگ و ریشے۔پتے وغیرہ کی بابت اتنا علم ہوتا۔جتنا ایک ماہر نباتات کو ہوتا ہے۔تو تم کبھی اُن نتائج کلیہ پر نہ پہنچ سکتے۔جو اپنی کتاب میں شائع کئے ہیں۔" ان دونوں طاقتوں سے ہربرٹ سپنسر نے ترکیب فلسفہ کا کام لیا۔نئے نئے مسائل اور اصول قائم کئے+ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا۔کہ زندگی کے

مختلف مظاہر کی تہ میں یگانگت اور یکرنگی دریافت کرے۔ یعنی اس کی ابتدا کا اصول ایک ہی ہے +

شاید یہ حجت پیش کی جائے۔ کہ اس اصول پر فلاسفر کاربند ہو سکتا ہے۔ مگر لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ یہ اعتراض بجا نہیں ہے۔ کیونکہ جس آدمی نے سو مشکلوں کو مغلوب کر کے اپنے کاروبار میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ اس آدمی کا ذہن فلاسفر کی مانند ہے۔ اور اپنے دماغ سے اسی طرح کام لیا ہے۔ جیسے بال کی کھال اُتارنے والا حکیم کرتا ہے۔ اگر سپنسر شخصی ڈھانچہ اور نظام تمدن کے درمیان تشابہ قائم کرتا ہے۔ تو تاجر تاجری معاملات میں اہل فرانس کی ضروریات میں انگریزوں کے حوائج کی بنا پر تشبیہ قائم کرتا ہے۔ اور جب وہ صحت کے ساتھ استدلال کر کے نتیجہ پر پہنچتا ہے اور پیرس میں اپنی کوٹھی کھولتا ہے۔ تو فائدہ اُٹھاتا ہے۔ ہم نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ طالب علم کے کام کے اس پہلو پر زیادہ زور ڈالا ہے۔ چاہے وہ نصاب کی کتابوں سے معلومات حاصل کرتا ہو۔ یا ایسی مستند تصانیف پڑھے۔ جو رُوح اور دماغ کو خاص اشتعال دیتی ہیں۔ یا صرف مشاہدہ سے واقعات بہم پہنچاتا ہو۔ ایک بات بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ سب چیزوں کا ایک نظام اور ضابطہ ہے۔ جس کی وہ تابع ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہو۔ کہ ان کی ترکیب سے ایک نمونہ بنتا ہے۔ اور زندگی میں ایک کوشش یہ ہونا چاہئے۔ کہ اس نمونہ کو معلوم کیا جائے۔ جسے سامنے رکھ کر آدمی دوڑ دھوپ کرے۔ اور اس کے حصول آخری سے شادمان اور خرسند ہو۔ کامیاب ہونا گویا خوشی اور خرمی حاصل کرنا ہے +

(۸) خود اعتمادی۔ اس سے یہ مُراد ہے۔ کہ انسان اپنی ذات پر پُورا بھروسہ رکھے اور دل میں یہ سمجھے۔ کہ میں اس کام کو باحسن وجوہ کر سکتا ہوں۔ اپنی ارادت سے کام لینے کی عادت ڈالے + آجکل ایک نئی تحریک جاری ہے۔ جس کے رو سے نفس اور ذہن کی خفیہ طاقتوں کو بڑھانے اور اُن سے کام لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق کئی آدمی نئی باتیں

کہو "میں یہ کر سکتا ہوں"

اور نئے تجربے کرنے میں مصروف ہیں اور ان کے نتائج کتابوں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ تجربے کرنے والے تو بہت سے ہیں۔ مگر اُستاد بہت تھوڑے ہیں جنہوں نے عالمانہ اور محققانہ اصول اور طریقہ سے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہو۔ ہم تفصیلی بحث میں پڑنے کے خواہشمند نہیں ہیں۔ طالب علموں کو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ اپنے دل میں یہ نقش کر لیں۔ کہ جب کوئی مشکل سامنے آئے۔ تو اپنے دل میں یہ ٹھان لیں کہ میں اسے بخوبی کر سکتا ہوں۔ اگر دل میں ہر قسم کے اندیشوں کو جگہ دیں۔ اور یہ خیال کریں۔ کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میری طاقت سے باہر ہے۔ یا اگر وہ اپنے ذہن میں غلط طور پر یہ سمجھ لیں۔ کہ میں ان تمام باتوں کو یاد نہیں رکھ سکتا یا اور مسئلہ کی تحقیق کی سردردی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ تو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ہم کبھی کسی کام کو کامیابی سے سرے پر نہیں پہنچا سکتے اور یہ کہ ہم اپنے تمام ذہن اور جسم سے کام نہیں لے سکتے + یہ کہنا "مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا" گویا ناکامی کو اپنا مہمان بنانا ہے۔ اگر ہر وقت یہ کہتے رہو۔ "میں اسے کر سکتا ہوں" تو کامیابی یقینی ہے اور ہم اپنی ذہنی اور جسمانی طاقتوں سے کام لیتے ہیں۔ اور اُن کے اظہار کا پورا موقع دیتے ہیں + **قوتِ ارادی** کو خوب بڑھاؤ۔ جیسے جسم کو ورزش سے توانا بنایا جاتا ہے۔ اِسی طرح "میں یہ کر سکتا ہوں" کے وسیلہ سے اپنے **ارادہ** کو بڑھاؤ۔ اور اس سے پُورا کام لو۔ پھر کامیابی امر یقینی ہے + مگر اس بحث سے یہ مت سمجھو۔ کہ ایک دہقان اسی اصول اور ہدایت پر کاربند ہو کر کسی علمی کتاب پر عبور کر سکتا ہے۔ البتہ وہ اپنے دہقانی کام میں اِسی طاقت سے بہت کامیابی حاصل کر سکتا ہے + مگر ہم یہاں پر صرف قوٰی عقلیہ کے قوانین میں سے ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کی وہ تابع ہے + تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ "جو آدمی ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لئے سب باتیں ممکن ہیں" جیسا بائیبل میں لکھا ہے + طالب علم کو قوی امید کے ساتھ اپنا کام شروع کرنا چاہیئے۔ دل اور ارادہ بھی مضبوط اور کڑا کر لینا چاہیئے۔ اِس سے

شاید معلوم ہو۔ کہ مجھے پہاڑ کدال سے گرانا پڑے گا۔ مگر ایمان اور ارادت سے پہاڑ بھی برباد کئے جا سکتے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی طرح اپنا دل ایسا قوی اور آزاد بنا لینا چاہیئے۔ جو یہ کہتا ہے۔ "میں کر سکتا ہوں" +

مقاصد اخلاقی

مشہور محقق عالم پروفیسر ٹامس ہنری ہکسلے نے ایک دفعہ اپنے لیکچر کے دوران میں حسب ذیل خیال ظاہر کیا تھا۔ ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں۔ جو جہالت۔ اور دکھ سے بھری ہوئی ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا یہ فرض منصبی ہے۔ کہ جہاں جہاں رہتے ہیں۔ اس مقام اور محلہ کو زیادہ پُر آسایش اور زیادہ مہذب اور باخبر بنائیں۔ اور جب ہم وہاں سے اگلی دُنیا کو کوچ کریں۔ تو اس حصہ آبادی کو بہتر حالت میں چھوڑ جائیں" +

بعض ایسی اخلاقی سچائیاں اور نصائح ہیں۔ کہ انہیں لوح دِل پر نقش کر لینا طالب علم کے لئے بسا ضروری ہے۔ بعض عالموں کا یہ خیال ہے۔ کہ جملہ احکام ضروریہ کی فہرست مرتب کر کے ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور اس پر بڑی سختی سے عمل کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر ٹاڈ اپنی کتاب "رہبر طلبا" میں لکھتے ہیں "ہر روز یہ کوشش کرو۔ کہ ضمیر کی تربیت خاطر خواہ ہو۔ اور اسے بڑھایا جائے"+

یہ نصیحت اس حالت میں بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ کہ طالب علم کی کمتبی زندگی احکام عشریہ (موسوی شریعت) کے تابع ہو۔ مگر اس سے بھی ایک بہتر طریقہ ہے۔ جن لوگوں نے مسیحی مذہب کی اشاعت کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں۔ کہ مسیحی اور غیر مسیحی تعلیمات کی اصلیت اور امتیاز ظاہر کرنے کے لئے "نئی محبت کی خارج کرنے والی قوت" ایک نیا محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مُراد ایک مذہب کے روز افزوں مرحلہ کے احکام سے ہے۔ یہ مذہب اس وقت کمال کے درجہ پر پہنچتا ہے۔ جب اس کے احکام محبت کے وسیلہ سے اظہار پاتے ہیں۔ جیسا کہ شباب لڑکپن کے وسیلہ سے تکمیل پاتا ہے۔ گویا

مذہب کی آخری منزل اس وقت تمام ہوتی ہے۔ جب اس کے احکام محبت میں جنم لیتے اور کمال کے درجہ پر پہنچتے ہیں +

مطالعہ کا اصل مدعا

جو کام طالب علم کرتا ہے۔ اگر اس سے پورا فائدہ حاصل کرنا چاہو۔ تو اپنے مقصود آخری کی بابت صحیح صحیح خیال قائم کر لینا چاہیئے۔ اور جس طریقہ سے اسے حاصل کرنا ہو۔ وہ بھی سوچ سمجھ کر مقرر کر لینا چاہیئے۔ اور پھر یہ بھی فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ میں کیوں اس مقصود کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان امور کی بابت صحیح صحیح خیال قائم نہ کر لیا جائے۔ تو برہمی اور انتشار لاحق ہو جاتا ہے + ہم آگے چلکر اختصار کے ساتھ یہ بتائینگے۔ کہ طالبعلم کس طرح سچے مقاصد کو مدنظر رکھ کر مفید طریقہ سے اپنا منصوبہ باندھ سکتا اور اسے کمال تک پہنچا سکتا ہے +

ہم نے ابھی بیان کیا تھا۔ کہ بعض بنیادی اور اصولی اخلاقی سچائیاں ہیں۔ جنہیں اپنا دستور العمل بنا لینا چاہیئے۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ محنت استقلال اور خیرات ایسی خوبیاں تو پہلے ہی سے اس کی عادتوں میں جاگزین ہیں۔ اس واسطے اُن پر مزید زور ڈالنا بالکل لاحاصل ہے۔ جتنی زبردست خواہش کسی آدمی کی کوئی علم یا بات سیکھنے کی ہوتی ہے۔ وہ اتنی ہی جلدی اپنی دقتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ تجربہ سب سے بڑا اُستاد ہے۔ جو انسان کو تمام باتیں سکھا دیتا ہے + خواہش میں جتنی طاقت ہوتی ہے۔ اُسیقدر زیادہ جوش اور ہمت رکاوٹوں کو دُور کرنے کی پیدا ہو جاتی ہے + جتنا زیادہ بڑا شوق کوئی ہنر سیکھنے کا دِل میں ہوتا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو اتنا ہی حوصلہ بھی ہوتا ہے + علاوہ بریں یہ خوبیاں نسبتی ہیں اور خاص خاص آدمیوں کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہیں مثلاً

علے الصباح اُٹھنا

علی الصباح پانچ بجے اُٹھنا۔ اور آٹھ بجے تک مطالعہ کرنا۔ پھر کھانا وغیرہ کھا کر ساڑھے آٹھ بجے دفتر یا دوکان یا کسی اور کام کو جانا۔ آسان کام نہیں۔ خاص ہمت اور حوصلہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور پُرانے خیال کے لوگ اس خوبی کو خوب سراہتے تھے۔ ایسے آدمی کی بابت ان کی یہ رائے تھی "یہ شخص کسی نہ کسی روز نام پیدا کرے گا" اس کی وجہ یہ تھی کہ صبح سویرے اُٹھنا

اُن کے نزدیک بڑی ہمت اور خوبی کا کام تھا۔ مگر جو کام کیا جاتا تھا۔ اکی بابت کیا کہا جائے؟ ایک اور آدمی کو لو۔ جو رات کو نو بجے سے گیارہ بجے تک بلا ناغہ مطالعہ کرتا ہے اور پھر مزے سے سو رہتا ہے۔ ہماری رائے میں یہ آدمی اوّل الذکر سے زیادہ ہوشیار اور سمجھ والا ہے۔ ہم طالبعلم سے یہی کہینگے کہ وہ اپنا ارادہ مضبوط اور پختہ بنالے۔ پھر وہ بہت جلد استقلال اور حوصلہ کا اعلیٰ وصف اپنے میں پائیگا۔ عزم بالجزم کر لو۔ کہ یہ کام کرنا ہے۔ چاہے ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے۔ مگر اپنے نیک ارادہ پر ڈٹے رہو۔ اور ایک انچ بھی پیچھے مت ہٹو +

مگر ایک خوبی پر ہم زیادہ بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ خیرآت ہے۔ "نیم حکیم خطرۂ جان" ذرا سا علم ایک خطرناک شے ہے۔ اس کے ایک سے زیادہ سبب ہیں + قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جب ہم کوئی نئی بات یا نیا علم سیکھتے ہیں + تو ہمارے دل میں ایک قسم کا گھمنڈ پیدا ہوتا ہے اور ہم اپنے کو دوسروں سے بہتر اور قابل تر سمجھنے لگتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ علم سیکھنے سے دل میں ایک قسم کی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اس کا بالکل خیال نہ رکھا جائے۔ تو یہ پرلے درجہ کے غرور اور تکبر یعنی خود اعتباری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی رکاوٹ اکتساب علم میں حائل نہیں ہو سکتی + اُس طالب علم کی حالت درحقیقت قابل رحم ہے۔ جو ایک مصنف کا بڑا شیدا اور مداح ہے اور دوسروں کو نالائق اور لغو سمجھنے لگتا ہے۔ اس میں وہ ایک طرف تو بیوقوفانہ ہٹ ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف نقادانہ صلاحیت جس کی تربیت اور ہدایت کی اسے از حد ضرورت ہے +

دوم۔ تھوڑا سا علم اس وجہ سے بھی خطرناک ہے۔ کہ اس سے نوجوان غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ بعض وقت کلاس کے اندر دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ جب ایک طالب علم اپنا خیال اپنے اُستاد کے خیال کے مخالف ظاہر کرتا۔ اور بڑے بھروسہ کے ساتھ اسے معقول ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اُستاد بڑے صبر سے اپنے مزاج کو سنبھالتا ہے۔ شائد یہ کہا جائے۔ کہ یہ نوجوانی کا جوش امر طبعی ہے۔ جسے اکی طبیعت سے نکالنا دشوار ہے۔ یہ خیال قدرے درست

ہے۔ لیکن کیا وطیرہ مستحسن ہے ؟ ÷

نامی گرامی محقق برقیات پروفیسر مائکل فراڈے نے ایک دفعہ ذہنی تعلیم“ پر ایک بڑا پر مغز مضمون لکھا تھا۔ اس کے دوران میں جو کچھ آپ نے انکسار اور خیرات کی بابت لکھا ہے۔ پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ”رائے قائم کرنے سے پیشتر صبر اور خوب غور و فکر سے کام لو۔“ اس تربیت کا اول اور آخری مقصد انکسار اور عجز ہے۔ عدم اہلیت کے خیال سے اس وصف کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ میرا علم اور تجربہ بہت محدود ہے۔ میں کسی قسم کا نظریہ قائم کرنے کے قابل نہیں ہوں + اگر ہم حوصلہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔ جیسا کہ انکسار کے مزید انکشاف سے ہوگا۔ تو یہ خیال آخر کار بہت قوی ہو جائیگا۔ مگر انکسار اپنے کو۔ اپنے اردگرد کے آدمیوں کے تقابل سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی ذاتی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے علم سے ہوتا ہے + منکسر المزاج اور خاکسار بننے کے واسطے پہلا زینہ اپنی طبعی خامیوں اور ناتمامیوں کا علم حاصل کرنا ہے۔ جب یہ ہو چکے۔ تو دوسرا قدم اُٹھانا بہت ہی آسان ہے۔ جو یہ ہے کہ جب معلوم ہو جائے۔ کہ میری رائے بلا سوچے سمجھے قائم ہوئی تھی۔ یا یہ کہ وہ نامعقول اور ناقص ہے۔ تو وہ پھر ویسی عجلت اور نامعقولیت اور وثوق کے ساتھ بھی کوئی قیاس قائم نہ کرے گا۔ میری یہ مُراد ہرگز نہیں ہے کہ سب آدمی ایک دم اپنی بُری ذہنی عادتوں سے رہائی حاصل کر لینگے۔ مگر میں یہ خیال کرتا ہوں۔ کہ لوگوں میں اتنی عقل اور سمجھ ہے کہ اگر وہ اپنی ایک غلط فہمی سے واقف ہو جائینگے۔ تو پھر اس راستہ پر نہیں چلینگے۔ بلکہ نیا طریقہ اختیار کرینگے اور پہلی لغزشوں سے محفوظ رہیں گے ÷

انکساری کی خوبی

دوسروں کی طرز زیست اور ان کے کام پر روشنی اور قدر دانی کی نظر ڈالنا عالی ہمت اور شرافت کا کام ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور شستگی سے پیدا ہوتی ہے + مختلف علوم کے اُستادوں کے علمی کارناموں اور کتابوں کو خاص گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم کرنا ایک معمولی قسم کا کام ہے جسے اخلاق یا

سے کوئی مناسبت نہیں ہے + مگر ہاں طالب علمی کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی طبیعت میں ہر طبقہ کے مضمون کے لئے ہمدردی پیدا کرے۔ اگر اس میں یہ نہ ہوگی۔ تو وہ جگہ بہ جگہ ٹھوکریں کھائیگا اور کچھ بھی سیکھ نہ سکیگا۔ لیکن اگر اس میں ہمدردی کا مادہ ہے۔ تو وہ جو فن اور جو علم چاہے سیکھ سکتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ جب کوئی کتاب پڑھو۔ تو اس خیال اور امید سے۔ کہ مجھے اس سے بہت سی نئی اور قیمتی باتیں معلوم ہو جائینگی۔ لیکن اگر دل میں کوئی تعصب لیکر اسے پڑھو۔ تو وقت محض ضائع اور محنت رائیگاں جائے گی +

مطالعہ کا مقصد مگر جن اخلاقی اغراض کا ہم خاص ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصود مدِ نظر سے خاص تعلق ہے + سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مطالعہ کا کیا مقصد ہے؟ کیا یہ اپنی ذات کے لئے ہے یا دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا جاتا ہے یا دونوں مقصد سامنے رکھ کر ہوتا ہے ؟ +

اوّل مدعا مطالعہ کا فیض رسانی ہے۔ ہمیں امید ہے۔ اس خیال سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ پچھلی فصل میں ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی تھی۔ کہ فیض رسانی کو کیوں مطالعہ میں مقدم سمجھنا چاہیئے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ عقل کا اقتضا یہی ہے مشہور فلسفی مصنف کارلائل کہتا ہے۔ سب سے پہلا فرض یہ ہے۔ کہ تم اپنی اور اپنے لواحقین کی پرورش کرو۔ چونکہ زندگی کی مشکلات دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اور روزگار کے راستے تنگ ہوتے جاتے ہیں۔ بہت ہنرمندی اور عقل روزی حاصل کرنے کے لئے درکار ہے۔ اس لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ لابدی اور از حد ضروری ہے۔ جن سے کسی پیشہ یا ہنر میں خاص لیاقت پیدا ہوتی ہے۔ ایسی کتاب کی قدر و قیمت بہت کم ہے۔ جو صرف عقل بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ اے۔ سی۔ بنسن صاحب جو ضروری تجربہ کی قلت کے تعصب کے ملزم قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ کہتے ہیں "میری رائے میں لڑکوں کو ایسا بنانا چاہیئے۔ کہ وہ دنیا کے کاروبار میں بہت مفید حصہ ادا کر سکیں۔ یعنے وہ اپنے کام کو اچھی طرح انجام دیکر

عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔ فلاسفر تعلیم کے اس خیال کو یو۔ ٹی لیٹیرین (Utilitarian) یعنی سودمندی کا نظریہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر تعلیم مفید نہیں ہو سکتی۔ تو اسکول بند کر دینا بہتر ہے "۔

دوم۔ مطالعہ کا دوسرا مقصد روحانی ہے۔ انسان نان و نمک ہی سے نہیں جیتا۔ وہم و گمان کا اسی قدر وجود ہے جس قدر حقیقت و واقفیت کا ہے۔ زندگی کا مقصد اولیٰ کھانا پینا۔ روپیہ کمانا اور اڑانا یا عیش و عشرت ہی نہیں ہے۔ روپیہ بٹورنے کی عادت بہت جلد جنون کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اس سے تمام شریف خیال اور پاک جذبات کا خون ہو جاتا ہے۔ اگر تم ایک ہی مقصد کے حصول کے پیچھے پڑ جاؤ۔ چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔ تو اس سے ذہن کی دیگر طاقتوں کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

تعلیم اور روحانی ترقی

شستگی اور تعلیم کیا ہے۔ کتابوں اور آدمیوں کی حالت کا مطالعہ ہے جو روحانی مقصد سے کیا جاتا ہے۔ اس کا معلومات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چاہے وہ کیسے اعلیٰ اور عمیق اور قابل قدر کیوں نہ ہوں۔ اس قسم کے مطالعہ میں مقدار کا نہیں۔ بلکہ خاصیت اور خوبی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ نرا جاننا نہیں۔ بلکہ اسے حاصل کر کے اس پر عمل کرنا۔ اور دل میں اعلےٰ اور پاک خیالات اور تاثیرات کو جگہ دینا ہے۔ پولوس رسول نے کرنتھیوں کے اوّل خط کے تیرھویں باب میں اس خوبی پر بڑا زور دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں "اگر ہر قسم کے علوم اور سب رازہائے سربستہ سے واقف ہو جاؤں۔ مگر محبت مجھ میں نہ ہو۔ تو میں ٹھنٹھناتا پیتل اور جھنجھناتی جھانجھ ہوں"۔ مضمون زیر بحث پر یہ الفاظ خوب عائد ہوتے ہیں۔ ہماری مراد یہی ہے۔ کہ دماغ ہر قسم کے معلومات سے پُر نہ ہو بلکہ دل بھی صاف اور شریف اور عالی ہو۔ اور عام مزاج شستہ اور پاکیزہ ہو۔ پاک باتوں کی خواہش دل میں پیدا ہوتی رہے۔ جب کوئی طالب علم برسوں تک کسی کالج میں پڑھتا ہے اور آخر کو ڈگری لے کر نکلتا ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں۔ اس تعلیم و تربیت سے اسکے اخلاق اور روح کے نمو پر کیا اثر پڑا ہے۔ کیا اسکا حافظ

صرف معلومات مختلفہ سے مملو ہے۔ اور وہ ویسا ہی ہے۔ جیسا پہلے تھا؟ اگر اسکے اخلاق کی شستگی اور رُوح کی بالیدگی نہیں ہوئی ہے۔ تو یقیناً اس کی تربیت کا مقصد فوت اور وہ اصل تعلیم سے محروم رہا+ مطالعہ اور تعلیم کا مقصود تو یہ تھا کہ اس کا دماغ طرح طرح کے واقعات اور حقائق علمیہ سے پُر ہونے کے علاوہ اس کا کیرکٹر ارفع اور عالی ہوتا +

سوم۔ تیسرا مقصد تعلیم کا دوسروں کی بھلائی ہے۔ جو کچھ ہم نے سوچا اور جہانتک غور کی ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی نے اعلےٰ ترین درجہ کی تعلیم اور تہذیب حاصل کی ہے۔ تو بھی وہ کم و بیش خود غرض اور خود پرست ہو۔ وہ تحصیل علم اور اپنے قویٰ عقلیہ کی تربیت میں دن رات کے بہت سے قیمتی گھنٹے برباد کر دیتا ہے۔ مگر یہ کس مقصد سے کرتا ہے۔ اپنی ذات کے فائدہ کے واسطے۔ اپنی نام آوری اور شہرت کی غرض سے کرتا ہے لیکن خوشی کی بات ہے۔ کہ سب لوگ ذاتی مقصد کو سامنے رکھکر نہیں پڑھتے ہیں۔ مطالعہ کے شائقین ذاتی غرض کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔ مگر رفتہ رفتہ وہ اسے مغلوب کر لیتے ہیں۔ اور فلاح عام میں دلچسپی اور دل آویزی پاتے ہیں۔ برطانیہ اور صوبجات متحدہ امریکہ کے فلاح عام کے کاموں کی ایک یہ عجیب بات ہے۔ کہ وہاں نیکدل اور شریف طبع لوگ میونسپل کاروبار اور مُلکی معاملات میں عملی حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں۔ جو ایک قابلِ افسوس امر ہے۔ ایک امریکن مصنف کہتا ہے۔ "تعلیم یافتہ آدمیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ پالٹیکس یعنی انتظامی معاملات میں عملی دلچسپی لیا کریں۔ سب مُلکوں کی حکومت کا ایک زبردست میلان یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تربیت ذہنی کے لئے بڑی فکرمند دیکھی جاتی ہیں عمّال اور ارباب حکومت کا اخلاق اسی حالت میں شستہ اور پاک رہ سکتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ انتظامی کاروبار کا ذمہ اُٹھائیں۔ سقراط اور اس کے شاگردوں نے اس باب میں کیا پہلو اختیار کیا تھا؟ اُنھوں نے حکومت کے معاملات سے پورا احتراز کیا تھا۔ اس کا جو انجام ہوا تھا۔ اس سے تاریخ یونان کے واقف بخوبی

آگاہ ہیں۔ سقراط کا یہ خیال تھا۔ کہ اخلاق اور حکومت ایک دوسرے سے علیحدہ متعلق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اِن دونوں کے درمیان تضاد او رتباین ہے۔ مگر زمانۂ حال کے علماء اسے سقراط کی غلط فہمی سے منسوب کرتے ہیں + فلاسفر اور حکیم اور عقلا حکومت سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ اور بدکردار۔ خود مطلب۔ اور بے ایمان آدمیوں نے سب اپنے کاموں پر اپنا عمل دخل بٹھالیا۔ جس کا انجام یہ ہوا۔ کہ یونان کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی" +

مگر مقامی معاملات کا انتظام اور حکومت کا کاروبار ہی ایسے امور نہیں ہیں جن تک فلاح عام کا خیال اور اس کا عملی اظہار محدود ہونا چاہیئے۔ اور بیسیوں کام ایسے ہیں جن میں عملی دلچسپی لینے سے انسان عامہ خلائق کو بے حد فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ البتہ تمہارا کام ہے۔ کہ ایسے کاموں اور ایسی تحریکوں کا پتہ لگاؤ جن میں تم خوشی خوشی شریک ہو کر انہیں خیر و خوبی سے انجام تک پہنچا سکتے ہو +

چوتھی فصل

کتابوں کا مناسب استعمال

"آجکل کی نہایت مفید یونیورسٹی یہ ہے۔ کہ عمدہ کتابوں کا معقول ذخیرہ بہم پہنچالو" تھامس کارلائل۔ فلاسفر مصنف

کتابیں دو مقصد سے لکھی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ۔ کہ کسی علم یا فن کی تعلیم ملتی ہے۔ دوسرے یہ۔ کہ ان کے ذریعہ سے ذہن کی تربیت ہو کر اسے وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے اور رُوح بالیدگی پکڑتی ہے، اور انسان اپنے نصب العین کی طرف بڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ ڈی کوانسی کہتا ہے "ادبیات کی دو قسم ہوتی ہیں۔ ایک سے علم اور دوسرے سے قوت حاصل ہوتی ہے" +

ہم پہلے علم کی کتابوں کا ذکر کرینگے۔ جن کے پڑھنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب خاص ادبیات کا ذکر کرینگے تو وہاں بتایا جائیگا۔ کہ کون

کونسی کتابیں اس مقصد سے پڑھنا مفید ہیں +

(۱) علمی کتب | کتب حوالہ جات۔ طالب علم کی تعلیم کا ایک جزو یہ بھی ہے۔ کہ اسے معلومات حاصل کرنے کے وسائل اور ان کے استعمال کے طریقہ سے واقفیت ہو جائے +

یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسی کتابوں سے کام کس طرح لیا جاتا ہے۔ ایسی کتابوں کو "ننھا سا کتب خانہ"۔ "علم و فن کی ایجنسی"۔ "ذخیرہ معلومات"۔ "شاہراہ علم و فضل"۔ "کلید حکمت"۔ وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بعض اہل الراء "خلاصہ" اور "لغات" وغیرہ کو قابل الزام قرار دیتے ہیں اور یہ درست بھی ہے۔ جس شخص نے "قاموس تاریخ" کے ذریعہ سے انگلستان کے معاملات ملکی کا رُخ جانچنے کی کوشش کی ہو۔ وہ خوب جانتا ہے۔ کہ اس سانحہ میں کتنی رکاوٹوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے + مگر لغات اور قاموس وغیرہ کی کوئی خاص بات دیکھنے اور چند منٹوں میں کسی ہنر یا واقعہ کی مختصر مگر جامع اور برجستہ کیفیت پر عبور کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ **مطالعہ** کے لئے موزوں نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ "انسائیکلو پیڈیا بری ٹانکہ" جیسی ضخیم کتاب جسکی پنتیس جلدیں ہیں۔ غور سے پڑھنے کا کام دے سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سے مضامین مختلف علوم و فنون پر جامع و مانع ہیں۔ اگر انہیں علیحدہ علیحدہ شائع کر دیا جائے۔ تو وہ ہر ایک مضمون بجائے خود ایک عمدہ اور مستند کتاب بنجائے لیکن لغات کی اصل خوبی یہ ہوتی ہے۔ کہ ایک واقعہ یا ہنر کو چند جامع فقروں میں بند کر دیا جاتا ہے جسے پڑھکر ہم اس سے خاص واقفیت پیدا کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی کتابوں کے استعمال کے برخلاف کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بعض اہل الراء لکھتے ہیں۔ کہ اصل کتاب پڑھکر واقفیت پیدا کرنا چاہیئے۔ مگر اس کی توقع صرف بڑے بڑے عالموں اور محققوں ہی سے ہو سکتی ہے۔ آج کل لوگ اس قدر عدیم الفرصت ہیں۔ کہ وہ کسی کتاب کو شروع سے اخیر تک نہیں پڑھ سکتے۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام باتیں ایک ہی کتاب میں مجتمع ملجائیں۔ اور ہم

رایک کتاب پڑھنے کی سر دردی سے آزاد ہو جائیں۔ طلباء بھی اس قدر بیکار ربیکار نہیں ہیں۔ کہ ہر ایک امر کے لئے ہر ایک کتاب پڑھیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ کتب خانہ کے منتظم پڑھنے والوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ ایک وہ جو قاموس اور کتاب سے مناسب کام لیکر مستفید ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو اس سے ناآشنا ہیں۔ آخر الذکر فہرست کتب کے مختلف حصوں کو دیکھتا ہے۔ اور ایک ایسی کتاب تلاش کرتا ہے۔ جس میں "کرایہ" وغیرہ کا ذکر ملجائے مگر ناواقفیت کی وجہ سے ناکام رہتا ہے۔ اول الذکر طبقہ سے متعلقہ لوگ قاموس کے نام سے آشنا ہوتے ہیں۔ کتب خانہ کے بابو کو اس کا نام بتا کر اسے نکلوا لیتے ہیں۔ اپنا مطلب نکالا۔ اور پھر باہر چلے جاتے ہیں۔ پال گریوتے "پولیٹیکل اکانومی" پر ایک لغات لکھی ہے۔ جس میں "کرایہ" "مکان" وغیرہ کے بارہ میں تمام باتیں پائی جاتی ہیں ÷

جو لوگ لغات وغیرہ سے فائدہ کے ساتھ کام لینا نہیں جانتے۔ انہیں کوئی بڑی انسائیکلوپیڈیا دیکھنا چاہیئے۔ اور جس امر کی بابت دریافت کرنا ہو۔ اس میں سے نکالکر پڑھ لو۔ مضمون کے آخیر میں چند کتابوں کے نام ہونگے اگر ان میں سے ایک آدھ نکلوا کر دیکھو۔ تو تمہارے خاص مضمون کا ذکر وہاں تمہاری تسلی کے مطابق پایا جائیگا۔ اِن کتابوں کے مرتب اور مؤلف بڑے بڑے عالم اور صاحب لیاقت لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی عمریں علوم و فنون کے کھوج اور تلاش میں صرف ہو گئی ہیں۔ ایک ایک بات کو بڑی تحقیق اور تجسس کے بعد لکھتے ہیں ÷

گو اس قسم کی کتابیں بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ مگر پڑھنے لکھنے والے اور نیز کاروباری آدمیوں کو ضرور خرید لینا چاہیئے۔ اِن سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور وقت ضائع نہیں ہونے پاتا۔ جان مارلے (جواب لارڈ مارلے آف بلیک برن ہیں) صاحب فرماتے ہیں۔ "ہم سب کے سب اس بات کا بڑا افسوس کرتے ہیں۔ کہ بہت سے ایسے اچھے اچھے گھرانے ہیں۔ جن میں سے کئی بہت مشہور اور

ذیعزت ہیں۔ جنکے ہاں کوئی اٹلس یا اچھی ڈکشنری یا قاموس یا کوئی اور کتاب حوالہ جات نہیں ملیگی؛ پس یاد رکھو۔ جب اپنے پڑھنے کے واسطے کتابیں خرید و تو کوئی قاموس اور مخزن العلوم لو۔ نہایت مشہور اور مستند کتابوں کا عمدہ ذخیرہ اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ اور ان کے مطالعہ سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی نیا لفظ۔ یا کسی تاریخی واقعہ یا تھیالوجی کا اشارۃً ذکر آجائے۔ تو اسکی پوری کیفیت معلوم کر کے حافظہ میں رکھنا چاہیئے۔ اور یہ کام مجمع العلوم ہی سے نکل سکتا ہے ہو سکتا ہے۔ کہ کتابیں کسی دوست یا مقامی کتب خانہ سے عاریتاً لے لو۔ مگر قاموس اپنی ہو اور ہر وقت گھر ہی میں رہنی چاہیئے۔ تاکہ عندالضرورت اس سے کام لے لو۔ مگر خریدنے کے وقت فائدہ کا خیال ضرور رہے۔ کیا معنے۔ کہ کتاب پر جہانتک ہو سکے۔ تھوڑا خرچ کرو۔ اور اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرو ؛

قابل غور امور انسائیکلوپیڈیا (مخزن العلوم) سے کام لینے میں طلبا کو حسب ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیئے (۱) جس امر کی بابت کچھ دریافت کرنا ہو۔ آیا اس کے تعلق میں تاریخ واقعہ یاد رکھنا ضروری بات ہے (ب) آیا تم اس مضمون کی بابت تفصیلی کیفیت چاہتے ہو یا مختصر۔ آیا عام فہم طریقہ میں درکار ہے یا عالمانہ طرز میں (ج) جس انسائیکلوپیڈیا میں تلاش کرنا ہو۔ اسکی بابت یہ معلوم کر لو۔ آیا خاص ہے یا عام۔ "انسائیکلوپیڈیا بریٹانکہ" میں بعض مضامین کا ذکر اُس خاص طبقہ میں آتا ہے۔ جس سے وہ متعلق ہیں (د) اگر مضمون اس عنوان میں نہ ملے جس میں تلاش کرو۔ تو پھر انڈکس میں دیکھو۔ اور حوالہ در حوالہ کے تحت میں پڑھو ؛

دوم۔ کتب خانہ سے فائدہ اُٹھانیکا طریقہ جارج ڈاسن صاحب کا قول یہ ہے۔ "ایک کتب خانہ عظیم بنی آدم کا روزنامچہ ہے"۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مصنف کتبخانہ متعلقہ عجائب خانہ برطانیہ میں بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا۔ وہاں اس کی جان پہچان ایک لیڈی بھی تھیں۔ جنہوں نے اس سے ایک خاص مضمون کی کتاب کے باب میں پوچھا۔ انہیں معلوم نہ تھا۔ کہ فورنکو کی کتاب کلید المضامین (Subject-Index)

بھی ہے۔ جس میں ہر مضمون کی کتابوں اور اُن کے مصنفوں کا ذکر ہے۔ اس سے مصنف کے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ کتب خانہ سے فائدہ اُٹھانے کے طریقہ پر کچھ لکھا جائے +

(ا) کتب خانہ کے اندر جتنی فہرست ہائے کتب ہوں۔ انہیں دیکھو۔ اس میں بہت وقت ضائع نہیں ہوتا+ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اچھی اچھی قاموس فہرست میں نہیں ہوتی ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ ہر مہینے نئی فہرست مرتب اور طبع نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے "نئی کتب" کی فہرست دیکھو۔ یا کتبخانہ کے کسی بابو سے دریافت کرلو+ کتب خانہ کے قواعد بھی ایک نظر پڑھ لو۔ بعض کتب خانوں کا عموماً یہ دستور ہوتا ہے۔ کہ وہاں سے کتابیں خاص شرائط پر اپنے گھر پڑھنے کو لے جا سکتے ہیں+ جب فہرست کو دیکھ لیا۔ تو پھر کتب خانہ کی تمام کتابوں سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے +

(ب) لائبریری کے منتظم اور دیگر کلارکوں سے دوستانہ پیدا کرلو۔ شائد بعض وقت وہ تمہارے ساتھ وسعت اخلاق سے پیش نہ آئیں۔ اور تمہارے استفسار کا جواب نہ دیں۔ مگر اصل یہ ہے۔ کہ انہیں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور بعض دفعہ وہ بد مذاق اور غیر مہذب لوگوں کی باتوں سے چڑ بھی جایا کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم اخلاق اور شائستگی سے اُن سے پوچھو گے۔ تو وہ مدد دینگے۔ آجکل کے منتظمان کتب خانہ کتابوں سے خوب واقف ہیں۔ اور ہم تجربے سے جانتے ہیں۔ کہ وہ پڑھنے والوں کی ہدایت کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اور خاص علوم و فنون کی کتابوں کے نام بتا دیتے ہیں +

(ج) یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ تمہیں سب قواعد کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اگر خاکہ لینے کی اجازت نہ ہو۔ تو مت لو۔ گو تم کتاب خراب نہیں کرو گے۔ مگر قاعدہ کی بات ہے۔ جس کا لحاظ ضروری بات ہے+ گو بعض قواعد بہت لغو ہوتے ہیں تاہم اُن کی خلاف ورزی سے کوئی فائدہ منتصور نہیں۔ اگر کوئی اور کتب خانہ نزدیک نہیں۔ تو اس سے بگاڑ پیدا کرنا کسی طرح دانشمندی میں داخل نہیں +

سوم۔ زندگی میں انقلاب پیدا کرنے والی کتابیں

"وہ کتاب اچھی کہلانے کی مستحق نہیں ہے جسے پڑھنے والا چند صفحے دیکھنے کے بعد اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ وہ کتاب فی الواقع قابلِ تعریف ہے۔ جو پڑھنے والے کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جس کے صفحے بار بار پڑھے جاتے ہیں۔ اور جب ختم ہو جاتی ہے۔ تو دل پر وہی رنج خیز اثر ہوتا ہے۔ جو منزلِ مقصود پر نہ پہنچنے والا مسافر غروب کتاب کے وقت محسوس کرتا ہے"۔ از ڈاکٹر جانسن +

اس سے پہلے ہم نے علمی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ کہ انہیں کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ ہم اب اصل لٹریچر کا ذکر کرینگے۔ جس کے پیدا کرنے والے۔ شاعر۔ ناولسٹ ڈرامائسٹ۔ مصنف اور نقاد ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی بحث میں ہم صرف ایک ہی قاعدہ اور طریقہ کا خیال رکھیں گے۔ یعنی ہم بڑے بڑے بزرگوں کی آرا پیش کرینگے۔ جن زندگیوں پر خاص خاص کتابیں پڑھنے سے بڑا گہرا اثر پڑا تھا +

(۱) ولیم گلیڈسٹون آنجہانی کہا کرتے تھے۔ کہ ارسطاطالیس (ارسطو) سینٹ آگسٹین ڈانٹی اور بشپ بٹلر صاحب کی تصانیف کا ان کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ اور صاحب ممدوح کا خیال درست تھا۔ جو لوگ ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ان مصنفوں کی تصانیف کے ارزاں اڈیشن بتانا مفید ہوگا+ ارسطاطالیس کی "اینھکس" (اصول الاخلاق) اسکاٹ لائبریری کے سلسلہ میں بارہ آنے کو ملتی ہے۔ اس کی "پالٹیکس" (سیاسیات) اور "اکانومکس" (اقتصادات) اور "میٹا فزکس" (مابعد الطبیعیات) اور "آرگنان" (طریقہ استخراج نتائج) بون لائبریری کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہیں۔ جنکی قیمت ڈھائی روپیہ سے لیکر پونے چار روپیہ تک ہے۔ ارسطاطالیس کے نظامِ فلسفہ پر واٹس نے بحث کی ہے+ سینٹ آگسٹین کی تمام تصانیف کلارک کمپنی ایڈنبرا نے شائع کی ہیں۔ پندرہ جلدوں کی قیمت ساٹھ روپے ہے۔ اس کے "اقرار" بارہ آنے کو اسکاٹ لائبریری کے سلسلہ میں اور اس کی "سٹی آف گاڈ" تین جلدوں میں ہے+ ڈانٹی کی غیر فانی تصنیف "دوزخ و بہشت" کا ترجمہ کیرلی

کا بہت مشہور ہے۔ اور سر تھیوڈور مارٹن کا ترجمہ بھی مشہور ہے+ بٹلر کی تصانیف کے کئی اڈیشن ہیں+ مگر ڈاکٹر جوزف آینگس کا بٹلر (۶ عہ) پڑھنا بہت مفید ہوگا+

(۲) پروفیسر ڈوڈن کی رائے میں حسب ذیل کتب بہت ہی مفید ہیں+ شیکسپیر کا ڈرامہ "کنگ لیئر"۔ وبسٹر کی ڈچس آف ملفی" ملٹن کی سمسن اگونسٹس"۔ شیلے کی "اوڈ ٹو ویسٹ ونڈ" کیٹس کی "اوڈ ٹو ملن کلی" ٹینی سن کی "یولی سیز" ایڈمنڈ برک کا "لیٹر ٹو اے نوبل لارڈ"۔ بنین کی "پلگرمس پروگرس"۔ ڈی کوانسی کی "آٹوبیا گرافیکل سکیچس"۔ اور نیومن کے "پروشیل اینڈ پلین سرمنز" +

(۳) مشہور ناولسٹ رابرٹ لوئس اسٹی ونسن کے ذہن اور طبیعت پر جن کتابوں نے اثر ڈالا تھا۔ وہ بھی خالی از دلچسپی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے مطالعہ سے اس کی طبیعت میں نئے نئے دلولے نئی نئی امیدیں اور طرح طرح کی تمنائیں جوشزن ہوتی تھیں۔ وہ شیکسپیر کی تصانیف کا شیدا اور مداح تھا۔ اور اس سے دوسرے درجہ پر ڈے ارٹگنان کا فدائی تھا۔ اس سے بڑھکر اس کی رائے میں کوئی انسانی روح شریف اور عالی نہ ہوگی"۔ بنین۔ مونٹن کے "ایسیے"۔ وِٹ مین کی سپوز آف گریس"۔ ہربرٹ اسپنسر کی تصانیف۔ مارشل کے "اپی گرام" مارکس آرلیاس کے "میڈی ٹیشن"۔ ورڈس ورتھ کا سخن۔ جارج میریڈیتھ کی "دی ایگوٹسٹ" تھورو۔ ہزلٹ۔ اور مٹ فرڈ کی حکایات جاپان قدیم (اولڈ ٹیلز آف جاپان) اس کے نزدیک قابل قدر کتب ہیں +

ان کتابوں کے ارزاں اڈیشن شائع کئے گئے ہیں۔ جو ہر کتب فروش سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ہربرٹ سپنسر کے فلسفہ پر پروفیسر ہڈسن کی کتاب "فلاسفی آف ہربرٹ اسپنسر" چھ آنے کو واٹس کمپنی لنڈن کی مطبوعہ فروخت ہوتی ہے +

(۴) فلپ۔ گلبرٹ ہیمرٹن جسنے "ان ٹلکچوئل لائف" (عقلی زندگی) لکھ کر تعلیم اور مطالعہ کی بابت بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ طبیعت پر جو اثر کتابوں کا ہوتا ہے۔ اس کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ جس کتاب کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔ اس کا کچھ اثر بھی ہماری طبیعت پر باقی رہجاتا ہے + بعض دفعہ خاص

خاص الفاظ کا بھی بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔جس کا کھوج لگانا آسان نہیں ہے۔مگر یہ ایسے ذرائع سے آتے ہیں۔کہ جنہیں ادبیات کے طبقہ سے خارج کیا جاتا ہے۔ہیمرٹن لکھتا ہے۔بہت لوگ دُنیا میں ایسے ہیں کہ اگر ایک رکاوٹ واقع ہو جائے۔تو وہ حوصلہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔اور اپنی زندگی کو برباد تصور کرتے ہیں۔لیکن کامیاب وہی ہوتے ہیں۔جو ایک چھوڑ ہزار دقتوں سے نہیں گھبراتے ہیں۔ہیمرٹن کہتا ہے اسی قسم کا ایک مضمون میں نے "سیٹرڈے ریویو" کی ایک پُرانی اشاعت میں پڑھا تھا۔جس سے ہمت بندھ گئی۔اور استقلال نے پختہ صورت اختیار کر لی۔ بائرن۔ شیلے۔کیٹس۔ٹینی سن۔موٹن۔جان مِل۔ ہربرٹ اسپنسر۔اسکاٹ تھیکرے بین۔اور کارنیل کی کتابوں نے اس کی طبیعت پر دیرپا اور عمیق اثر ڈالا تھا اور یہ کتابیں ہر سال نئے نئے اڈیشنوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔اور روپیہ ڈیڑھ روپیہ میں دستیاب ہو سکتی ہیں +

(۵) جان سکن کہا کرتا تھا۔جن کتابوں نے میرے دل اور دماغ پر مستقل اثر ڈالا ہے۔انہیں ہر کس وناکس نہیں پڑھ سکتا۔مثلاً۔ہوریس۔پنڈر۔اور ڈانٹی یہ لاطینی کے غیر فانی اہلِ قلم ہیں+ مگر ان کے ترجمے انگریزی میں ہو گئے ہیں جنہیں عوام پڑھ سکتے ہیں۔ان پر بہت خرچ بھی نہیں پڑتا۔بارہ بارہ آنے کو آجاتی ہیں۔پبلشر بلیک وڈ کمپنی لنڈن ہے+ اسکن اسکاٹ۔پوپ کے ایلیڈ (الیاد) بائرن۔کال رج۔کیٹس۔برنز۔مولیا کا بھی بڑا شائق تھا۔عمر کے آخری حصے میں اسکن "فریڈرک اعظم" مصنفہ کارلائل بھی بڑے شوق اور محبت سے پڑھا کرتا تھا۔ ان شاعروں اور مصنفوں کی تصانیف ارزاں اور قیمتی ہر دو اڈیشنوں میں مل جاتی ہیں۔جنہیں شائقین مطالعہ خرید سکتے ہیں +

(۶) مسٹر آگسٹین بریل۔جو آجکل چیف سکرٹری معاملات آئرلینڈ اور ایک نامور فاضل اور ادیب ہیں۔آپ کی طبیعت پر صرف چند نام اور کتابوں کے خاص حصوں کا خاص اثر پڑا تھا۔مثلاً بیکن کی "نودم آرگنم" کے آخری دو پیرے ڈاکٹر جانسن کی لغات انگریزی کے دیباچہ کا آخری پیرا۔سر ٹامس براؤن کی

"ڈراگنمنٹ آون ممی" کا آخری حصہ۔"منیک بتھ" ایکٹ دوم۔سین دوم۔"لیئر" ایکٹ چہارم سین ۷ +

بیکن کی کتاب فی الواقع بہت نادر اور پڑھنے کے قابل ہے۔بون لائبریری کی کتابوں میں پونے چار روپیہ کو ملتی ہے+ سرٹامس براؤن کی تصانیف بھی بہت اعلےٰ پایہ کی سمجھی جاتی ہیں۔غور سے پڑھنا چاہیئے +

(۷) مسٹر ڈبلیو۔ٹی۔اسٹیڈ مشہور اخبار نویس اور رسالہ "ریویو آف ریویوز" لنڈن کے مالک ایڈیٹر کے دل اور دماغ پر جن تصانیف کا گہرا اثر ہوا۔ان کی فہرست پیش کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہوگا۔کیونکہ یہی ایک ایسے وقائع نگار ہیں جن سے زار روس اور قیصر جرمنی اپنے گھر بلا کر ضروری ملکی معاملات میں صلاح مشورہ لیا کرتے ہیں۔ہر قسم کی نئی اور مفید عام تحریکوں اور تجویزوں کے بانی اور مؤید ہوتے ہیں۔آپ نے کئی مرتبہ اپنی تقریروں میں ان اثروں کا ذکر کیا ہے۔جو بعض کتابوں کے پڑھنے سے ان کی طبیعت پر ہوا۔شیکسپیر کے مشہور ڈرامہ "ہملٹ" کے مطالعہ سے انقلاب خیز اثر ہوا تھا۔اس وقت آپ پندرہ سولہ برس کے تھے۔سب قصوں کا خاتمہ عاشق و معشوق کے وصل اور شادی ہوتا ہے۔یا ہیرو کا انجام بخیر ہوتا ہے۔مگر "ہملٹ" کا انجام حسرتناک ہوا+ سٹیڈ صاحب نے شیکسپیر کے اور ڈرامے بھی پڑھے۔جس سے عقل کا افق ست وسیع ہوگیا۔زندگی کے مسائل اور معاملات ایک اور ہی رنگت میں نظر نے لگے۔محبت اور مفارقت کے تاثیرات جو ہر انسان کے دل میں موجزن وتے ہیں۔ان کے پڑھنے سے واضح اور قوی ہوگئے+ شکسپیر کو ادبیات کا خدا مجھنے لگے۔اسی کے سبب سے کول رج۔ہیزلٹ۔شلیگل۔اور گیتی کی کتابوں کو ھا+ جیمز لوئل۔امریکن شاعر۔کی نظم "مراہم انتہائی" سے بہت ہی گہرا اور دیرپا ثر ہوا۔سر ولیم ہنٹر کی کتاب "اوڑیسہ و دیہات بنگال" سے امپیریئل خیالات پیدا ہوئے+ پروفیسر سٹوارٹ کی "نیو ابولشنسٹ"۔"عورتوں کی غلامی" مصنفہ ان مل۔مسز براؤننگ کی "اروره لے" وکٹر ہیوگو کا ایک مشہور ناول۔بیچر کے

"خیالات زیست"۔ کارلائل کی "ہیرو ورشپ" (مشاہیر پرستی) قرآن اوکلے کی "تاریخ مسلمانان"۔ لیکی کی "ہسٹری آف ضیلزم کے پڑھنے سے بھی خیالات میں بہت تغیر واقع ہوا +

جو مشہور آفاق کتابیں اسٹیڈ صاحب نے پڑھی تھیں۔ ان کے نئے اڈیشن بہت سستے داموں مِل سکتے ہیں + جرمنی کے مشہور ادیب شلیگل کے لیکچر ڈراما اور لٹریچر کے متعلق بوہن لائبریری کے سِلسلہ میں مِل سکتے ہیں۔ اس کا علمِ حُسن Aesthetics اور متفرقات بھی اسی سِلسلہ میں شائع ہوئی ہیں۔ (

اون فیلڈ۔ جرمن ادیب نے گیٹی کے خیالات اور اقوال کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ اس میں گیٹی کے وہ خیالات اور آرا بھی شامل ہیں۔ جو اس نے شیکسپیئر کی بابت ظاہر کئے ہیں۔ لوئل کی نظمیں ایک مختصر کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں۔ ہنٹر کا "اوڑیسہ" دو جلدوں میں اور بنگال کی دیہاتی زندگی کے کوائف ایک جلد میں ساڑھے پانچ روپیہ کو ملجاتی ہیں ۔ اسی طرح باقی کتابیں بھی مہنگے اور ارزاں اڈیشنوں میں دستیاب ہوسکتی ہیں +

(۸) ڈاکٹر مارکس ڈوڈس ایک نہایت نام آور عالم الٰہیات و دینیات ہیں ان کے خیالات درباره کتب برائے مطالعہ درج کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہوگا + ان کی زندگی پر "ہنری مارٹن کے "خطوط اور سوانح" کا بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ ان کا یہ خیال ہے۔ اس کتاب سے "اپنی زندگی خدا کی خدمتگزاری کے واسطے وقف کرنے کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ جس سے راستبازی اور دینداری میں ترقی کرنے کی تحریک و تحریص پیدا ہوتی ہے"۔ جان فوسٹر کے "ایسے" سے نوجوانوں کو انسان اور اس کے معاملات کی نسبت صحیح صحیح رائے لگانے کی قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے مطالعہ سے وہ ایسی بلندی پر پہنچتے ہیں۔ جس سے دنیا بالکل مختلف قسم کی ظاہر ہوتی ہے"۔ اس سے آ ترکر رابرٹ براؤننگ شاعر کی کلام اور ڈبلیو۔ ایف فے بر کی تحریرات: کا بہت اثر ہوا تھا۔ اس بزرگ اور دیندار آدمی کی مشہور کتاب "خالق و مخلوق" ہے +

(۹) پروفیسر جان سٹوارٹ بلیکی لکھتے ہیں۔ پولوس رسول نے جو نصیحت اپنے خط میں تیمیتھیُس کو کی تھی۔ اس سے میری اخلاقی زندگی پر بہت اثر پڑا۔ اسے میں نے اپنا دستور العمل بنایا۔ اس سے اُتر کر نکیٹ کے درس ہیں۔ جو اس نے اہلِ جرمنی کے سامنے پیش کئے تھے۔ انکے ذریعہ سے اہل مصر کی فن سنگتراشی کی خوبیوں کا بہت عمدہ اثر پڑا تھا + جرمنی کے مشہور نازک خیال اور بلند پرواز شاعر فریڈرک شِلسر کے کلام کو پڑھکر بہت متاثر ہوا تھا + گیتی کی کتابوں سے مجھے راحتِ قلبی۔ صوری اور معنوی حقائق اور تاثیرات کا تجربہ ہوا۔ حقیقی اور مجازی باتوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی + جان بنسن کی "گاڈ اِن ہسٹری" (تاریخ میں خدا کا وجود) ورڈس ورتھ کے کلام۔ سر والٹر اسکاٹ کے ناولوں سے بھی بہت متاثر ہوا تھا۔ جرمنی کے مشہور مصنفوں کی تصانیف سے جو عمیق اثر پیدا ہوا تھا۔ اسے مذکورۂ بالا انگریز اہل قلم کی تحریروں سے بہت تقویت ملی۔ اور ان عالموں کی کتابیں مشہور کتب فروش فروخت کرتے ہیں۔ جونسا اڈیشن چاہو۔ مل سکتا ہے۔ البتہ بنسن کی "گاڈ اِن ہسٹری" صرف پُرانے اڈیشنوں ہی میں مل سکتی ہے۔ نئی فروخت نہیں ہوتی ہے +

(۱۰) پروفیسر ہنری ڈرمنڈ۔ اسکاٹ لینڈ کے نہایت مشہور اور قابل عالم تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ نوجوانوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اُن کتابوں کا ذکر کیا تھا جن کے پڑھنے سے آپ کے دل پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ ناظرین کی دلچسپی اور استفادہ کے لئے ہم یہاں پر ان کے نام درج کرتے ہیں۔ اسکن کی بعض تصانیف کی بابت آپ نے کہا تھا:" اس سے میں نے سیکھا۔ کہ دنیا کیا ہے۔ اور فوراً ہی یہ دُنیا ایک نئی دُنیا معلوم ہونے لگی۔ جس کی دلکشیوں اور دلفریبیوں کی کوئی حد نہیں + میں جوتے ہوئے کھیت میں جاتا ہوں۔ اور وہ ہلائیوں اور باہنوں کی اونچ نیچ گہراؤ۔ اور تیکھے کناروں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ نیچے سے جو نئے رنگ کی زمین اوپر نکل آتی ہے۔ وہ بہت ہی دل آویز معلوم ہوتی ہے۔ قصہ کوتاہ میں نے اسکن کی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا سیکھا"

اس سے دوسرے نمبر پر امریکہ کا فیلسوف مصنف امرسن تھا۔" اس نے مجھے ذہن سے ہر شے کے تمام پہلوؤں کو دیکھنا سکھایا۔ کارلائل کے پڑھنے میں بڑی دقت پیش آئی تھی۔ ایک دو صفحے دیکھنے کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ میں نے کوڑے کھائے۔ وہ بہت سخت سُست لکھتا ہے"+

پھر جارج ایلیٹ۔ مشہور فسانہ نگار عورت ہے۔" اس سے میں نے حکمت و دانش کی کئی باتیں سیکھیں۔ اور فلسفیانہ اور سوشل کے مسائل کے باب میں زیادہ واقفیت حاصل کی۔ مگر میں اس کا سب سے بڑھ کر اس وجہ سے شکرگزار ہوں۔ اس نے مجھے اچھے اچھے شخصوں کی نیک عادتوں سے واقف ہونے کا موقع دیا۔ ایک فرضی نوعمر لیڈی تو مجھے ایسی اچھی لگی۔ کہ چند ماہ تک اسے اپنے ذہن سے نہ نکال سکا"+ ڈبلیو۔ ای چیننگ سے خدا کی حقیقت سیکھی اور ڈبلیو۔ ایف۔ رابرٹسن سے خدا کی بے حد محبت اور شرافت اور انسانیت معلوم ہوئی + جن کتابوں کا ذکر آیا وہ بازاروں میں بآسانی دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ارزاں بھی ہیں +

اور قسم کی کتابیں

ہم نے پہلے بڑے بڑے آدمیوں اور عالموں کے نکتہ دیدے مشہور کتابوں کے نام درج کئے۔ جن کے پڑھنے سے ان کی زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوا تھا۔ اب یہاں ان کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں۔ جن کی خوبیوں کی بابت سب عالم اور محقق متفق الرائے ہیں۔ اگر ان میں سے دو چار کو غور سے مطالعہ کیا جائے۔ تو دماغ پر دیرپا اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاید کوئی آدمی اس فہرست کو دیکھ کر یہ اعتراض کرے۔ کہ ان میں سے بعض کتابیں تو لٹریچر کی ذیل میں شمار ہونے کے لائق ہی نہیں ہیں۔ مگر ہم اس کے جواب میں یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ ان کتابوں سے انسان کی زندگی پر عجیب و غریب اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے ان کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے +

اول دو کتابیں بیکن کے مضامین (Essays) اور لارڈ مارلے کی "کمپرومائز" (Compromise) ہیں۔ جو آدمی بیکن کی مذکورہ بالا کتاب پڑھیگا وہ اس دنیا کی حکمت و دانش سیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتاب بالکل نادر ہے۔ مگر اس کے پڑھنے سے جب فائدہ ہو سکتا ہے۔ جب اسے غور سے اسکول کی کتابوں کی طرح مطالعہ کیا جائے۔ سرسری طور پر دیکھنے سے کوئی بڑا عقلی نفع حاصل نہیں ہوگا۔ اور اس کے چند مضامین کہیں کہیں دیکھنے سے مصنف کے اصلی خیالات کا علم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غلط فہمی کا اندیشہ ہے + لیکن اصل بات یہ ہے۔ کہ ان مضامین میں فطرتِ انسانی کی سودمند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے فہم و فراست کے اصول کی واقفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو تعصبات اور غلطیاں ناواقفیت سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ ان کے وسیلہ سے رفع ہو جاتی ہیں + ایک اور فائدہ ان کے مطالعہ سے یہ پہنچتا ہے۔ کہ تم ایک معاملہ کو مختلف پہلوؤں سے دیکھنے کے قابل ہو جاتے ہو۔ علاوہ ازیں آدمی کا دل فراخ و فیاض۔ اور ذہن کشادہ و وسیع ہو جاتا ہے۔ مگر مضامین ہی کے مطالعہ سے نفع کثیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان سے انسان بڑائی اور عظمت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے بعد مارلے کی "کمپرومائز" پڑھنا چاہیئے۔ یہ زیست انسانی کی ہدایت کے واسطے بہت سی معقول اور مفید باتیں بتاتی ہے۔ اس سے نہ صرف ذہن ہی کو تحریک اور تقویت پہنچتی ہے۔ بلکہ اس کے لئے بمنزلہ ایک مقوی دوا کے ہے۔ سچائی کو ناہموار طریقہ سے بیان کرنا شاید دانشمندی میں داخل نہ سمجھا جائے۔ مگر جو کچھ لارڈ ممدوح نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں لکھا ہے۔ وہ بہت درست ہے۔ اور اس سے ہر شخص اپنے اخلاق کی اصلاح کر سکتا ہے +

اگر کوئی آدمی اپنے ذہن و ذکا کو حد درجہ کی وسعت دینے کا شائق ہے۔ تو اسے انیسویں صدی کے مشہور مصنفوں اور محققوں کی تصانیف پڑھنا چاہیئے + ان میں سے ایک توبکل کی "ہسٹری آف سولی زیشن"[1] (تاریخ تمدن) ہے۔ گو اس

---

[1] اس کے ایک حصہ کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے + مترجم

میں بعض نقائص ہیں۔ مگر تو بھی یہ کتاب بڑی مفید ہے۔ مصنف کی اپج نئی اور شاندار اور اس کا تصور بہت وسیع ہے۔ وہ اس کے درمیان قوے کی یگانگت اور یکرنگی دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ گو اس میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوتا ہے۔ جو آدمی اسے غور سے پڑھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ علم ایک خاص قسم کے معلومات کے مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ اس کتاب میں تاریخ ہی سے بحث نہیں ہے۔ بلکہ علم جغرافیہ۔ اقتصادات۔ علم الاخلاق اور دیگر علوم بھی اس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ جو ایک بڑی واقفیت کے اجزا ہیں۔ یعنی یہ کہ انسان کی زندگی موجودات سے مشروط ہے۔ جس سے اسے گریز ممکن نہیں +

اس کے بعد ایک اور مشہور مورخ ڈبلیو۔ ای۔ ایچ۔ لیکی ہے۔ اس کی بڑی مشہور کتابیں۔ "ہسٹری آف ریشنل ازم ان یورپ" اور "علم الاخلاق" کی تاریخ بہت مشہور ہیں۔ ان کے مطالعہ سے بعض لوگوں کے ذہن پر عجیب و غریب اثر پیدا ہوا ہے۔ اس نے کسی خاص فرقہ کے خیالات کی حمایت نہیں کی ہے۔ بلکہ عالمانہ انداز سے عقلی ترقیوں اور اخلاقی خیالات کی نمو کی تاریخ لکھی ہے۔ جو بہت مفید ہونے کے علاوہ دلچسپ بھی ہے۔ آج کل جتنے پیچیدہ عقلی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ اس کتاب کے پڑھنے سے بآسانی حل ہو جاتے ہیں +

اس کے بعد امرسن اور کارلائل ہیں۔ امریکن فلسفیانہ مصنف۔ امرسن۔ عجیب و غریب آدمی تھا۔ اسے نئے نئے اور اچھوتے خیالات سوجھتے تھے۔ اور انہیں ایک ایک جامع فقرے میں ظاہر کر دیتا تھا۔ وہ اُستاد تھا۔ اور بہت عجیب و غریب اُستاد تھا۔ صوفی پن اکی سب تحریروں سے عیاں ہے۔ وہ ہمیں نیچریت سے باز رکھتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں۔ یہ سب مادہ ہی کا ظہور ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔ نہیں۔ یہ رُوح کا پرتو ہے +

کارلائل ہر ایک قسم کی ریاکاری اور دکھاوے کے برخلاف ہے۔ وہ کہتا ہے اپنے آپ بیوقوف مت بنو۔ وہ ہماری رسمی کاررعائیوں پر مضحکہ اُڑاتا ہے۔ اور ہماری ادنےٰ ادنےٰ کمزوریوں کی دھجیاں اُڑاتا ہے۔ گو ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ مگر باوجود

اس کے بھی ہم اس کی عزت کرنے کو مجبور ہیں +

ایک اور قابل مطالعہ کتاب کارڈنل نیومن کی "آئیڈیا آف اے یونیورسٹی" (ایک یونیورسٹی کی تجویز) ہے۔ گو اس کی بہت سی باتوں سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے مگر پھر بھی بہت سی مفید باتیں ہیں۔ اس کی طرزِ تحریر بالکل نرالی قسم کی ہے۔ آج کل کے بہت تھوڑے مصنف اس کی زبان کی پاکیزگی اور صحت۔ خیال کی رفعت و لطافت۔ بیان کے استدلال اور منطق کو پہنچ سکینگے۔ یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ اکی طرزِ تحریر انگریزی دانوں اور انگریزی نویسوں کے واسطے نہایت اچھا نمونہ ہے اس کی اگر تقلید کی جائے۔ تو بہت اچھا ہوگا۔ نیومن سکھاتا ہے۔ کہ انگریزی زبان کس طرح لکھنا چاہیئے +

رابرٹ لوئس اسٹی ونسن کے "لیسے" اور خطوط پڑھنا چاہیئے۔ "آرڈر ڈسوتھ" انگریزی زبان کی انشاپردازی کا ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ جس میں اعلےٰ اخلاقی زندگی پر خاص زور ڈالا گیا ہے۔ ہر ایک نیک دِل انسان پاک زندگی بسر کرنے کا خواہاں ہے۔ اور ہر قسم کی آزمائشوں اور دقتوں کے مقابلہ میں راہِ راست پر چلنے کا کوشاں ہے۔ یہی حال اسٹی ونسن کا تھا۔ وہ اپنے اس ناول میں اسکا نمونہ پیش کرتا ہے +

تھورو فرنچ ناولسٹ کی مشہور کتاب "والڈن" ہے۔ جس میں دکھایا ہے اگر ہم تمدن اور اس کے لوازم کو دِل سے عزیز رکھینگے۔ تو ہم اُن خوشیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جو کائنات سے موافقت رکھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ جیسے اکن ریلوں کا مخالف تھا اور ان کے وجود پر لعنت بھیجتا تھا۔ ویسے تھورو۔ برقی روشنی اور دیگر اشیا کو قابل الزام ٹھیرایا کرتا تھا۔ شہروں کی ناپاک ہوا اور کارخانہ کے دھوئیں میں اسے کوئی الٰہی خوبی نظر نہیں آتی ہے۔ وہ ہمیں دیہات میں جاکر رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاکہ ہم فطرت کے مناظر کا پورا لطف حاصل کر سکیں۔ انکے جذبات اور خیالات بڑے قوی تھے۔ اس نے اپنی زندگی سے نمونہ قائم کر دیا تھا۔ اُوسو کی طرح اس کے قول و فعل میں تناقض نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی ناشائستگی

کی طرح اپنے خیالات کو درد انگیز کوششوں سے عمل کا جامہ پہنایا کرتا تھا +

پڑھنے کا طریقہ

"پڑھنے سے ذہن کو معلومات بہم پہنچتے ہیں۔ مگر سوچنے سے وہ ہمارے علم کا حصہ بنجاتے ہیں" + جان لاک۔

پڑھنے کے متعلق تین سوالات ہیں۔اور باقی تمام سوالات انہی کے تحت میں آتے ہیں۔(۱) کیا پڑھنا چاہیئے (۲) کس طرح پڑھنا چاہیئے ؟ (۳) کب اور کیوں پڑھنا چاہیئے ؟ +

پڑھنے کے متعلق تین سوالات

پہلے ہم تیسرے سوال کو لیتے ہیں۔ کیونکہ اسے آسانی سے سلجھایا جاسکتا ہے۔ پڑھنے کے بغیر چارہ نہیں۔ اور جب ہو سکے پڑھو۔ بہت ہی تھوڑے آدمی ہونگے۔ جو ڈاکٹر جانسن کے حسب ارشاد پانچ گھنٹے تک پڑھ سکتے ہیں ہمیں بہت تھوڑا وقت اپنے معمولی کاموں سے ملتا ہے۔ جسے کتابوں کی نذر کر سکتے ہیں۔ جان مارلے صاحب فرماتے ہیں۔ ہر ایک نوجوان مرد اور عورت چاہے کتنی مصروف ہو۔ آدھ گھنٹہ پڑھنے کے لئے نکال سکتی ہے۔ اور کوئی مفید کتاب پڑھ سکتی ہے۔ اگر مجھے آدھ گھنٹہ نہ ملے۔ تو میں پاؤ گھنٹہ ہی پر صبر کروں۔ برک کی کتاب کے پندرہ بیس صفحے باسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔ ورڈس ورتھ کی کوئی مشہور نظم بھی اسی عرصہ میں تمام ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسی کتاب شروع کرو۔ جس کا ایک خاص حصہ تم آدھ گھنٹہ میں پڑھ سکتے ہو۔ اور سال کے ۳۶۵ دنوں میں بحساب آدھ گھنٹہ پڑھتے رہو۔ پھر دیکھو۔ سال کے بعد تمہارے پاس علمی معلومات کا کتنا بڑا ذخیرہ۔ دانائی۔ تجربہ اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عمر بھر کام آئیگا۔ جب چاہو۔ پڑھ سکتے ہو۔ مگر قاعدہ سے پڑھنے سے بہت فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور تھوڑے سے وقت میں بہت سا کام انجام دے سکتے ہو۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ تمہارا اشتیاق کتب بینی عشق اور جنون کے درجہ تک پہنچا ہوا ہونا چاہیئے۔ اگر شوق ہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہم اس کے واسطے

وقت نکال سکتے ہیں۔ چاہے ہم کتنے مصروف اور عدیم الفرصت کیوں نہ ہوں +

دوسرا سوال بہت مشکل ہے۔ "کس طرح پڑھنا چاہیئے" کس طرح کسی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور کس طرح اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ جو خیالات مصنّف نے ظاہر کئے ہیں۔ ان کا اسی مبحث کے اور مصنّفوں کے ساتھ کس طرح مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اور سب کے آخیر میں یہ سوال ہے۔ جو کچھ ہم کتابوں سے سیکھتے ہیں۔ اسے ذہن کے اندر کس طرح جمع رکھنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اسی کتاب میں ایک فصل "ذہنی عادتوں" کے متعلق لکھی گئی ہے۔ جس میں حافظ بڑھانے۔ نوٹ لکھنے اور ایک علم کا دوسرے علم کے ساتھ تعلق معلوم کرنے کے باب میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہاں پر اسکے دیگر پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔ پڑھنے کے متعلق سب سے بڑی خوبی جلدی جلدی کی قابلیت ہے۔ ایسے آدمی بھی موجود ہیں جو ایک نظر میں صفحہ کے مضمون اور خیال سے واقف ہو جاتے ہیں +

شائد لوگ اسے مبالغہ سمجھیں۔ مگر اصل یہ ہے۔ کہ اس طبقہ کے آدمیوں کی آنکھ پڑھنے کی عادت سے اس قدر تیز ہو جاتی ہے۔ کہ چشم زدن میں صفحہ کے تمام حروف سے گزر جاتی ہے۔ اور ان کا ذہن بھی اس کے ہمدوش رہتا ہے۔ جب بہت پڑھنا پڑتا ہے۔ تو اس اہلیت سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر عام طور پر ہم اسے کوئی خوبی نہیں سمجھتے۔ جو ہر ایک انسان کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اس میں قباحت یہ ہے۔ کہ انسان صرف جلدی سے نظر دوڑاتا گزرتا ہے اور غلط نتائج اخذ کر لیتا ہے + دوسری بات یہ ہے۔ کہ کتاب بہت غور و فکر سے لکھی جاتی ہے۔ اسے کیوں ریل گاڑی کی رفتار سے پڑھنا چاہیئے +

اب یہ جاننا بہت ضروری ہے۔ کہ کس قسم کی کتاب کا صرف سرسری مطالعہ کرنا چاہیئے اور کسے توجہ سے پڑھنا چاہیئے۔ بادی النظر میں اسے کوئی

آدمی کوئی بڑی بات نہیں سمجھتا۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ کونسی بات مفید مطلب ہے
اور کونسی فضول اور بیکار۔ اب تم پوچھو گے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور بات
آسان ہے؟ کیا کتاب کے سرسری مطالعہ کے بہترین طریقہ سے تم واقف ہو؟ ہمیرٹن
کا خیال یہ ہے۔ کہ سوائے اپنے ذوق کے اور کوئی شے رہنما کا کام نہیں
دے سکتی۔ جو شے ہمارے مطلب کی نہیں ہے۔ اسے نظر انداز کرو۔
اور جس کی ٹوہ میں ہو۔ اسے اخذ کر لو۔ اور اس کے واسطے کسی اُستاد کی ضرورت
نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم اپنی ذہنی ضرورتوں کو آپ ہی خوب جانتے ہیں۔ البتہ
اسے خوب سوچنا چاہیئے۔ کہ ہماری ضرورت کی خاص باتیں کیا ہیں۔ دستور
یا کسی آدمی کی صلاح کی حاجت نہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ کتاب کے
سرسری مطالعہ کا ہنر سیکھنا دشوار ہے۔ مگر کتاب کی فہرست مضامین اور انڈکس پر
نظر مارنے کا کیا عیب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو فصل اور مبحث
ہمارے مطلب کا ہے۔ اسے غور سے پڑھ لو۔ اور باقی کو دیکھنے۔ یا صرف
اپنے مذاق کی باتوں سے واسطہ رکھنے کی کیوں سر دردی مول لیتے ہو +
ناولوں کے پڑھنے میں یہ دقت ہوتی ہے۔ کہ ان کا انڈکس نہیں ہوتا۔
اس واسطے پتہ نہیں لگ سکتا۔ کہ کونسی بات ترک کرنا چاہیئے اور کونسی اخذ۔
ریویو لکھنے والوں کا یہ خیال ہے۔ کہ ناول کا پلاٹ شروع ہی کی چند فصلوں
میں ہوتا ہے۔ اسے غور سے پڑھو۔ اور باقی حصہ کو سرسری نظر سے ختم کر دینا
چاہیئے۔ متواتر پڑھنے سے بہت تجربہ ہو جاتا ہے +

مگر ناول پڑھنے کا ایک طریقہ بھی ہے اور وہ بہت اچھا ہے۔ وہ یہ
ہے۔ کہ اسے استادانہ اور نقادانہ نظر سے پڑھا جائے۔ اور اسے آرٹ کا
ایک نمونہ سمجھنا چاہیئے + ٹامس ہارڈی کا "وِل بی لَوڈ" (معشوق دل)
ایک عجیب قصہ ہے۔ اس کے واقعات ہی پڑھنے والے کے دل کو گرویدہ
کر لیتے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے تفریح کا سامان ضرورت سے زیادہ
ہاتھ لگ جاتا ہے۔ مگر بعض ایسے ناول بھی ہوتے ہیں۔ کہ جنہیں بڑی

احتیاط اور ہوشیاری سے پڑھنا چاہیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ناول نویس کا پہلا کام پڑھنے والے کے دل پر گرفت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ طرزِ بیان کی اور نیز دیگر ادبی خوبیاں ہوتی ہیں۔ جو سب آرٹ کی ذیل میں آتی ہیں۔ اور ان سے عمدہ واقفیت پیدا کرنا چاہیئے ؛

یہی حال نظم کا بھی ہے۔ مشہور اور نامی شعرا کا کلام توجہ سے پڑھنا چاہیئے۔ اور یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ ذہن اور رُوح کے واسطے وہ کونسا پیام دیتا ہے۔ کیونکہ شاعر کا بڑا فرض ہمارے جذبات اور تخیل کو متأثر کرنا ہے مگر بعد ازاں اس کے لطافتِ بیان کی خوبیاں ڈھونڈھنا ہے۔ وہ اپنے خیالات کو کن الفاظ سے اُدا کرتا ہے اور ان کے اندر کس قسم کا جادو اور کس قسم کی شیرینی ہے ؛

کس طرح پڑھنا چاہیئے ؟ اس کے واسطے بھی کوئی خاص قاعدہ معین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہر آدمی کا اپنا مذاق اور اپنا ڈھنگ ہوتا ہے۔ پروفیسر جی۔ پی۔ مارش۔ جنہوں نے انگریزی لٹریچر کی ابتدائی تاریخ لکھی ہے۔ اپنی میز پر ہر مضمون اور ہر زبان کی کتابیں رکھ کر پڑھتے تھے۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری جسے دیکھنے والا۔ بےقاعدگی سے منسوب کرے۔ اس میں کوئی اصول اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ مگر انہوں نے اسی طرح کامیابی حاصل کی ؛ لیکن اس پر ہر کوئی عمل پیرا نہیں ہو سکتا ہے ؛

مگر بہت سے آدمی ایک مضمون کی کتاب پڑھنے سے جب تھک جاتے ہیں۔ تو دوسری شروع کر دیتے ہیں۔ اس تبدیلی سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔ کہ جب کتاب سے طبیعت اُکتا جائے۔ تو کسی ہرے درخت کو دیکھو۔ یا پھلواڑی یا کیاری پر نظر دوڑاؤ۔ طبیعت خوش اور دماغ تازہ دم ہو جائیگا۔ تمہارے مکان کے آس پاس بہت سی چیزیں پڑی ہوتی ہیں۔ اگر انہیں دیکھنے بھالنے لگو۔ تو آنکھوں کو طراوت ملنے کے سوا طبیعت کو فرحت حاصل ہو جاتی ہے ؛

جو لوگ ایک خاص مقصد سے پڑھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں پوچھتے۔ کہ کونسی کتاب پڑھنے کے قابل ہے۔ انہیں بہت سی کتابوں سے شناسائی پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مگر جو صرف وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لئے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان کے سامنے یہ سوال آتا ہے۔ کہ کون کون سی کتابیں پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس سوال کا جواب اور جگہ دیا جاچکا ہے۔ یہاں صرف یہ بتا دینا کافی ہے۔ کہ لارڈ آوبری کی "سو کتابیں" اب تک بہت مشہور سمجھی جاتی ہیں +

مگر کبھی کبھی بڑے پڑھنے والے بھی اس سوال سے دوچار ہوتے ہیں۔ انہیں ہم یہی صلاح دیتے ہیں۔ کہ وہ اوّل درجہ کی کتابیں پڑھنے میں اپنا وقت صرف کریں۔ چاہے کسی علم میں مہارت پیدا کرو۔ مگر اس کے متعلق مستند کتابیں حاصل کر کے پڑھو۔ نقل کرنے والے اور اوچھے مصنفوں کی کتابیں پڑھنے میں وقت ضائع مت کرو۔ البتہ یہ دشواری پیش آئیگی۔ کہ اوّل درجہ کے ماہر کون ہیں۔ جنکی کتابیں پڑھی جائیں بعض علمی میگزینوں کے ایڈیٹر تمہیں بتا سکتے ہیں۔ کہ کون عالم کس فن کا خاص ماہر ہے +

جن کتابوں کے مقدمے ہکسلے ایسے عالموں نے لکھے ہوں۔ وہ شروع میں بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور خالص ادبی کتابیں پڑھنا چاہو۔ تو اس کے لئے بھی یہی ہدایت ہے۔ کہ بہترین قسم کی پڑھو۔ اوسط درجہ کی کتابوں سے کبھی ناواقف مت رہو۔ مگر یہ ضرور جاننا چاہیئے۔ کہ اوّل درجہ کی اور مستند کتابیں اپنی زبان میں کونسی ہیں۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو غیر زبانوں کی مشہور ترین کتابوں کے ترجمے پڑھنے چاہئیں +

نوٹ کس طرح لکھنے چاہئیں

امریکہ کا نہایت نامور مصنف امرسن کہتا ہے۔ "بہترین خیالات ہمارے

دل میں اوروں کے وسیلہ سے پیدا ہوتے ہیں ؎

ذہن میں خیال رکھنا

اپنے ذہن میں قابل قدر امور کا نوٹ رکھنا نہایت مفید اور سودمند عادت ہے۔ جو طالب علم کو ڈالنی چاہیئے۔ اس سے نہ صرف یادداشت ہی بڑھتی ہے۔ بلکہ ذہن میں اس کے موجود رہنے سے ہمارے معلومات کے ذخیرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جسکے یہ معنے ہیں۔ کہ جو کچھ پڑھو۔ اسے دل میں خوب سوچو۔ اور دیکھو۔ کہ اس کا تعلق اور علوم سے کیا ہے۔ جسے عام بولی میں "یاد کرنا" جو "حوالۂ ذہن کرنا" کہتے ہیں۔ طریقہ مطالعہ کی حیثیت سے اس کے فوائد بہت ہیں جن سے چشم پوشی محال ہے۔ جو آدمی نظم کی کتابیں پڑھتا ہے۔ اسے بہترین نظمیں اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا چاہیئے جو آدمی ریاضیات سیکھتا ہے۔ اسے تمام ریاضی اصول موضوعہ حفظ کر لینے چاہئیں۔ مگر اس میں قباحتیں بھی ہیں۔ ایک تو یہی ہے کہ اس سے اپنی عقل اور ذہانت سے کام لینے کی کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ واقعات طوطے کی طرح ازبر کر لئے جاتے ہیں۔ جو آدمی دوسروں کے خیالات کو حافظہ میں بند کر لیتا ہے اور اپنی سمجھ سے کام لے کر اپنی طبیعت سے کوئی نئی بات پیدا نہیں کرتا۔ وہ کوئی معرکۃ الآرا کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور نہ اس سے جدت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ البتہ وہ دوسروں کے خیالات تمہارے سامنے نقل کرنے کو تیار رہے۔ اگر وہ کوئی کتاب "زینت پر" لکھے۔ تو اس کا عنوان ثانی "اقوال بزرگاں" رکھے گا۔ جس میں اسکا اپنا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ دوسروں سے حاصل کی ہوئی باتیں ہونگی ؎

دوسری قباحت یہ ہے کہ جو باتیں آیندہ کے واسطے ہم اپنے ذہن میں رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں نہیں رکھ سکتے۔ کہا جاتا ہے۔ یادداشت یہ چاہتی ہے۔ کہ مجھ پر بھروسہ کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ لوگ بہت سی باتیں پڑھتے اور سنتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ ذہن کے اندر محفوظ رہینگی۔ جب ضرورت ہوگی۔ نکال لینگے۔ وہ اپنی

یادداشت پر بھروسہ کرتے ہیں + سب سے عمدہ یادداشت وہ ہوتی ہے جس سے لوگ عموماً نالاں رہتے ہیں۔ یعنی وہ حافظہ جو چھلنی کی مانند ہو۔ اچھی باتیں یاد رہیں۔ اور غیر مفید اس سے اُتر جائیں + اگر کوئی آدمی ہکسلے کے "اونیز لکچر" کے موٹے موٹے خیالات کو ذہن میں قائم رکھ سکے۔ تو ایک دو صفحوں کے ازبر کرنے سے بہتر ہے۔ اس سے ذہن کی تربیت ہو جاتی ہے۔ اور عقل پر نامناسب بار نہیں پڑتا +

نوٹ لکھنا | نوٹ لکھنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے۔ کہ لفظ اور فقرے کاغذ پر لکھ لئے جائیں۔ اس سے خیال ذہن پر نقش ہو جاتا ہے۔ مگر اس عمل کو مطالعہ کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ پروفیسر بَین اس کے متعلق یہ کہتے ہیں۔ "تجربہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ کہ جب کسی مسودہ کی نقل کی جاتی ہے۔ تو توجہ بالکل درکار نہیں ہوتی۔ جس کے سبب سے نفس مضمون نظر انداز ہو جاتا ہے۔ محرر اور نقل نویس کی مثال لو۔ وہ اصل کو نقل کر دیتا ہے۔ مگر اسے مضمون بالکل یاد نہیں رہتا۔ اگر اس کی آنکھ الفاظ سے چوک جائے۔ تو اصل مطلب بالکل برباد ہو جائے۔ اور درحقیقت ایسا ہوتا بھی ہے۔ اسے کسی کے بھید یاد نہیں رہتے۔ اور وہ ان غلطیوں کو رفع نہیں کر سکتا۔ جو اصل سے نقل کرنے میں سرزد ہو کر نفس مضمون میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہیں + مگر حق یہ ہے۔ کہ اگر وہ مضمون کا خیال کرے۔ تو آٹھ گھنٹے تک کبھی نقل نویسی نہیں کر سکتا + انکی بنا پر میں یہ کہونگا۔ کہ نقل کرنے سے مطالعہ میں کوئی کارآمد مدد نہیں مل سکتی۔ نقل کرنے کی عادت بہت خطرناک ہے" +

دوسرا طریقہ نوٹ لکھنے کا یہ ہے۔ کہ مضمون کا خلاصہ اپنے الفاظ میں اور اپنے طور پر لکھا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ آدمی مضمون زیر بحث کی بابت خود سوچتا ہے اور اس کا خاکہ اپنے ذہن میں بنانے کو مجبور رہتا ہے، ٹیکسٹ بک کے مطالعہ میں اُسی وقت مدد مل سکتی ہے۔ جب تمام امور اور حقائق کو علی الترتیب یاد رکھا جائے۔ اور اس سے خواہ مخواہ حافظہ پر بار ڈالا

اور مضمون کو وضاحت سے ذہن میں قائم رکھنا پڑتا ہے۔ مگر ناتجربہ کار طلبا اس بات میں غلطی کیا کرتے ہیں۔ کہ نہایت مفید اور ضروری باتوں کو اوّل درجہ اہمیت نہیں دیا جاتا۔ بلکہ گھٹیا باتوں کی ترجیح دیجاتی ہے +

پروفیسر آبن دوسری جگہ لکھتے ہیں۔" جس مضمون پر کماحقہ عبور حاصل کرنا ہو۔ اس کا اجمال ذہن میں قائم کرکے کاغذ پر لکھ لینا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے بغیر مطالعہ کامل اور کارگر نہیں ہو سکتا + ہو سکتا ہے۔ ایک کتاب کے خیالات اور مصنف کے عام میلان سے بعجلت پڑھنے سے واقفیت ہو جائے۔ اور پھر بہت جلد ذہن سے پڑھا ہوا اُتر جاتا ہے۔ مگر تمہیں یہ سوال پوچھنا چاہیئے۔ کیا مجھے اس کے کسی حصہ کی بعد میں ضرورت پڑیگی۔ اگر اس کتاب کا کوئی جزو مفید ہو۔ تو اس کا خلاصہ لکھ رکھنا چاہیئے۔ تاکہ عندالضرورت اس سے کام لیا جا سکے۔ اگر کوئی ایسی کتاب ہو۔ جس میں بہت مفید معلومات ہوں۔ اور انہیں پورے طور پر اپنے ذہن میں رکھنے اور اخذ کر لینے کا ارادہ ہو۔ تو مصنف کے استدلال اور خیالات کا خلاصہ ایسے طریقہ سے لکھو۔ کہ اپنے خیالات کی بھی اس کے ساتھ آمیزش کر دو۔ اس سے تم نقال نہیں بنتے ہو۔ بلکہ تم ان باتوں کو اچھی طرح یاد رکھ سکتے ہو۔ اس سے تمہارے ذاتی معلومات میں اضافہ اور عقل کو تقویت پہنچتی ہے۔ جو طالب علم اس اصول کو مدّنظر رکھتا ہے۔ وہی حقیقی طالب علم ہے۔ اسی کے وسیلہ سے وہ ترقی کرتا ہے +

تیسرا طریقہ لٹریری انڈکس تیار کرنے کا ہے۔ جس سے ہماری مراد یہ ہے کہ حرف بحرف نقل کے ساتھ ذاتی رائے بھی دیجائے۔ یعنی کتاب کا ایک پیرا نقل کرنے کے بعد نیچے اپنا خیال خطوط وحدانی میں اس کے مصنف کے خیالات اور طرز بیان کی بابت ظاہر کیا جائے۔ کہاں تک تم اس کے ساتھ متفق ہو۔ اور کہاں تک اس سے اختلاف رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہت سودمند اور مستحسن ہے۔ ردیف کی ترتیب میں بنی ہوئی کتابیں بہت ملجاتی ہیں۔ ایک

خرید کر انڈکس تیار کرتے رہو۔ اگر تم اپنے مطالعہ کے بہترین نتائج محفوظ رکھنے چاہو۔ تو اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ برسوں کے بعد تم کتاب نکال کر دیکھ سکتے اور اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ اس میں تمہارے اپنے خیالات مصنف کے خیالات کے پہلو بہ پہلو ہونگے ⁂

ایک اور یہ ہدایت ہے۔ کہ کام صفائی اور صحت سے کرو۔ جس مصنف یا مضمون نگار کے خیالات مع اپنی تنقید کے انڈکس میں لکھو۔ صفحہ کا نمبر اچھی طرح سے دو۔ ورنہ گڑبڑ مچ جائیگی۔ اور عین وقت پر پریشان ہونا پڑیگا اس میں کسی قسم کے تساہل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ ورنہ مطلوبہ مضمون تلاش کرنے میں بڑی دقت اُٹھانا پڑیگی، بعض لوگ اپنی انڈکس کی کتاب ایسی عمدگی سے مرتب کرتے ہیں۔ کہ وہ ہزاروں پونڈ لیکر بھی اسے فروخت کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انڈکس کی کتاب کو ردیف وار تقسیم کر لو۔ پھر ایک تختی میں آدمی اور مضمون تحریر کرتے رہو۔ اگر تازہ تازہ خیالات مرّوجہ مسائل کے متعلق نوٹ رکھنے کی ضرورت ہو۔ تو کورے کارڈوں پر لکھتے رہو۔ پہلے مبحث لکھو۔ پھر اس کے نیچے کسی مفکر و مدبر کے خیالات کا خلاصہ دو۔ اخبار یا میگزین کے مضمون کا حوالہ بھی درج رجسٹر ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر کارڈ سنبھالکر نہ رکھو۔ تو کھو جانیکا احتمال ہے۔ اس وجہ سے کتاب میں مضامین درج کرنا اچھا ہے ⁂

مضمون نویسی اظہار خیال کا وسیلہ

بن جانسن کہتا ہے۔ "زود نویسی سے صحیح نویسی نہیں آتی۔ بلکہ صحیح نویسی سے زود نویسی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے"۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر تم تھوڑی دیر میں کسی مبحث پر مضمون لکھ ڈالو۔ تو اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔ کہ تم قابل تعریف۔ مدلل اور بہت اچھا مضمون لکھتے ہو۔ لیکن تم عمدہ مضمون بنا سکتے ہو۔ تو اس سے البتہ جلدی لکھنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک مقام پر ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ کہ لوگوں اور آشناؤں سے میل جول رکھنے سے بات چیت کرنے اور اظہار خیال کا عمدہ وسیلہ بہم پہنچ جاتا ہے۔ ان سے جب تم کسی معاملہ میں گفتگو کرتے ہو۔ یا تو تمہاری تشریح کرنے کی طاقت تقویت پاتی ہے۔ تمہیں اپنے مزاج پر قابو رہتا ہے۔ اور بے کھٹکے اپنے خیالات ظاہر کر سکتے ہو۔ اس واسطے تمہیں مشکل الفاظ کی بھول بھلیوں میں پڑنے کی بجائے سادہ طریقہ سے اپنے خیالات ظاہر کرنے چاہئیں۔ اس سے دوسرے درجہ پر اظہار خیال کا وسیلہ تحریر ہے یعنی جس مسئلہ پر بحث چاہو۔ مضمون لکھو۔

ہم نے دوسری فصل میں ذہنی تربیت پر بحث کرتے ہوئے قابل نمونہ سبق پر بحث کی تھی۔ اور یہ دکھایا۔ کہ آجکل کے طریقۂ تعلیم کا ایک بڑا نقص یہ ہے۔ کہ لڑکوں کو تحریر کے ذریعہ سے اپنے خیالات ظاہر کرنے کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ حالانکہ اور باتوں پر بہت سا وقت دیا جاتا ہے۔ اسکولوں کی تعلیم کا بڑا مقصود معلومات لڑکوں کے دماغ میں بھرے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مصنفوں کے خیالات طلبا کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر انہیں سوچنے اور اپنے خیالات قائم اور ظاہر کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔

اس واسطے یہ مناسب ہے۔ کہ جو آدمی پڑھتا ہے۔ اسے لکھنے والا بھی بننا چاہیئے۔ بہت پڑھنے کی تمنا دل میں مت رکھو۔ یہ غلطی ہے۔ ذہن کو گودام مت سمجھو۔ جس کے اندر ہر قسم کے حقایق اور معلومات بھرے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ تم پڑھنے کے ساتھ ساتھ نوٹ بھی لکھتے جاؤ۔ جو کتاب یا مضمون پڑھو۔ اس پر رائے زنی کرو۔ اور کسی کوری کتاب میں لکھو۔

فرض کرو۔ ایک آدمی ڈارون کی معرکۃ الآرا کتاب "اوریجن آف سپیشیز" (ابتداء الانواع) پڑھتا ہے۔ جو خیال اس کے دل میں اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا اظہار اپنے دوستوں کے سامنے کرتا ہے۔ اور اپنے

قیاسات کو معقول ٹھیرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی اسے چاہیئے۔ کہ اپنے خیالات کو حوالۂ قلم کرے۔ جو طریقہ چاہو۔ اختیار کر لو۔ مگر جو رائے اسکے باب میں ہے۔ اسے ضرور احیطۂ تحریر میں لانا چاہیئے۔ روزنامچہ لکھنے کا جو قاعدہ ہے۔ اس سے بھی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ مگر اس سے یہ مت سمجھو۔ کہ ہر طریقہ سے اظہار خیال ہوسکتا ہے۔ اور مضمون نگاری کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے + صرف اتنا فرق ہوتا ہے۔ کہ لکھنے سے تحریری اظہار خیال پیدا ہوتا ہے۔ عالموں کی طرح لکھنے اور خیالات کو معقولیت اور ترتیب سے ظاہر کرنا چاہیئے۔ مصنف کو تجربہ سے معلوم ہے۔ کہ انشاء پردازی اور مضمون نویسی مکتبی تعلیم میں بڑی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ لڑکے اسے ایک بڑا آسان کام سمجھتے ہیں۔ مگر یہ سراسر نادانی اور غلط فہمی ہے۔ مضمون نویسی کو نصاب تعلیم میں ایک خاص وقعت حاصل ہونا چاہیئے کیونکہ اگر اس سے مناسب کام لیا جائے۔ تو تربیت عقلیہ کا یہ ایک بہت زبردست وسیلہ ہے۔ اور اس سے ادبی قابلیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس واسطے ہم یہ صلاح دیتے ہیں۔ کہ انشا پردازی کی طرف خاص توجہ دیجائے اور روز لڑکوں سے اس کی مشق کرائی جائے + اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ غلط فہمیاں ذہن سے رفع ہوجائینگی۔ اور خیالات صحیح اور پختہ ہو جائیں گے +

لاطینی زبان کا مشہور اُستاد کوان ٹلیان کہتا ہے "قلم فن گویائی کا بہترین معلم ہے۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ قلم کے وسیلہ سے ذہن کی تربیت بہت اعلےٰ ہوتی ہے۔ لکھنے سے بات ذہن پر جم جاتی ہے ایک گھنٹے کی مضمون نویسی سے جو تربیت ذہن کو ملتی ہے۔ وہ دن بھر کے مطالعہ سے بہتر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قلم تمہیں مجبور کرتا ہے۔ کہ جو کچھ مطالعہ کرتے ہو۔ اسے خوب سمجھ لو۔ جو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اسے کبھی ظاہر نہیں کرسکتے۔ علاوہ بریں لکھنے سے ترتیب اور سلیقہ کا خیال پیدا ہوتا ہے + بلکہ

سچ تو یہ ہے۔ کہ جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ اُس ... علم کا جزو نہیں بن سکتا۔ کہ جب تک ہم اسے اپنی زبان اور ... لفظوں میں ظاہر نہیں کر سکتے"۔

شائد ان امور کی بابت کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ ہم یہاں خاص طور پر ان کی تشریح کرتے ہیں۔ فرض کرو۔ تم لاروش فوکال کے "خیالات اور نصائح" پڑھتے ہو۔ ان میں ایک جگہ "متانت" کا ذکر ہے۔ جس کی بابت مصنّف یہ کہتا ہے "متانت سے مراد جسم کی ایسی پوشیدہ حرکت اور رفتار ہے۔ جو ذہن کے نقائص چھپانے کو وضع کی گئی ہے"۔ آسٹرن اس کی بابت کہتا ہے۔ اسے زرّین حروف میں لوحِ دِل پر کندہ کر لینا چاہیئے۔ اب اس کے پڑھتے ہی تمہیں کاغذ پر یہ لکھ دینا چاہیئے۔ کہ نہایت ہی نیک اور خدا ترس لوگ اور شریف النفس آدمی متین اور سنجیدہ مزاج تھے۔ اور یہ کہ متانت ایک خوبی ہے۔ جسے چور اور اُٹھائی گیرے دوسروں کو دھوکا دینے کے واسطے اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہ کہ جو کچھ مصنّف نے "متانت" کے بارہ میں لکھا ہے۔ درست نہیں بلکہ تناقض ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو۔ کہ شیفٹسبری نے "متانت کو ریاکاری کا جوہر" قرار دیا ہے۔ خیر تم ان سب خیالات کو اپنے سامنے رکھ لو۔ اور اپنی عقل دوڑاؤ۔ مگر خوبی اور ہوشیاری سے استدلال کرو۔ اپنی عقل اور ذات کو دوسروں کے تابع مت کرو۔ مضمون لکھنے کی کوشش مت کرو۔ ہاں البتہ جب مہلت ہو۔ تو لمبا اور پُر فکر مضمون لکھنے کی بھی کوشش کرنا چاہیئے۔ اگر کوشش اور شوق اور تجسّس سے یہ کام کیا جائے۔ تو اس سے عقل کو بڑی تعلیم ملتی ہے اس کے متعلق صرف دو باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ یعنی طرزِ بیان اور نفسِ مضمون۔ اگر ایسی باتیں تحریر کرو۔ جو کتابوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ تو اس سے بہت فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے مباحث پر لکھو۔ جن میں اپنی عقل اور سوچ سے بہت کام لینا پڑتا ہے۔ مثلاً "کیا مرد عورت کی نسبت

فطرت ... ہے؟" اب یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس
... ل ٹھیرانے کے کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ اس میں غور و فکر سے کام لینا پڑتا ہے۔ "اس کا انجام یہ ہوگا۔ کہ جو کچھ ہم نے اس کے بارہ میں پڑھا ہے۔ وہ یاد آجائیگا۔ اور اس طرح اسے مضمون لکھنے میں کام لیا جا ئیگا۔ ایسے مصنف نظر پڑینگے۔ جنہوں نے فطرت انسانی کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کیا ہے۔ اور اس بحث میں شیکسپیئر اور جارج ایلیئٹ کا مقابلہ ہونا چاہیئے۔ کہ ان دونوں نے خاصہ انسانیت کو کس طرح عیاں کیا ہے +

اس کے بعد پھر تاجری دنیا پر نگاہ ڈالنا چاہیئے۔ آیا عورتیں انسان کی ضروریات کو زیادہ سمجھتی ہیں یا مرد۔ اور یہ کہ اس کی کمزوریوں سے کون زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے عقل کی قوت بڑھتی ہے۔ اور اس سے ہم علم کے مختلف شعبوں کو متحد اور متفق کرنے کی اہلیت بھی حاصل کرتے ہیں۔ یعنی یہ بات دریافت ہو جاتی ہے۔ کہ علم ایک ہے اور اس کی شاخیں بہت ہیں۔ اور یہ کہ ظاہر میں جو اختلاف ہے۔ تہ میں اتحاد ہے۔ ایک شاخ کا دوسری کے ساتھ خاص تعلق ہے +